Title - MAWAAZINA-E-ANEES-O-DABEER YAANI MEER ANEES KI SHAYARI PAR TAFSEELI KAIWAW AUR MEER ANEES-O-MIRZA DABEER KA MAWAZINA.

Creator - Shibli Nemani

Publisher - Matba Mufeed Aam (Agra).

Date - 1907

Pages - 285

Subjects - Urdu Marasi - Tanqeed

سلسلۂ آصفیہ

موازنہ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو، اور میر انیس و دبیر کا موازنہ

مولفہ

شبلی نعمانی

مطبع مفید عام آگرہ مین منشی محمد قادر علیخان صوفی کی اہتمام سی چھپا

سنہ ۱۹۰۷ء

(جلال، آگرہ آبادی نوشت)

میر مونس (لکھنوی)

سلسلۂ آصفیہ

موازنہ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو، اور میر انیس و دبیر کا موازنہ،

مؤلفہ

شبلی نعمانی

مطبع مفید عام آگرہ مین منشی محمد قادر علیخان صوفی کی اہتمام سی چھپا

سنہ ۱۹۰۷ء

(حلال الہ آبادی نوشت)

فہرست مضامین

شمع ہا بردہ ام از صدق بہ خاک شہدا		تا دل و دیدہ خون نابہ فشانم دادند	

فلسفہ اور شاعری برابر درجہ کی چیزین ہین، لیکن قوم کی بدمذاقی سے جس قسم کی شاعری نے ملک مین قبول عام حاصل کرلیا ہے، اس نے لوگون کو یقین دلادیا ہے کہ اُردو شاعری مین زلف و خال و خط، یا جھوٹی خوشامد اور مداحی کے سوا اور کچھ نہین ہے، میر تقی کی غزلیت، درد کا تصوف، غالب کا فلسفہ شاعری کی جان ہین، لیکن ان بیش بہا خزانون مین سے بھی، عام لوگون کی نگاہ صرف خزف ریزون پر پڑتی ہے میر انیس کا کلام، شاعری کے تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے، لیکن اُن کی قدردانی کا طُغراے امتیاز صرف اسقدر ہے کہ "کلام فصیح ہوتا ہے، اور بَین اچھا لکھتے ہین" بدمذاقی کی نوبت یہانتک پُہنچی کہ وہ، اور مرزا دبیر حریف مقابل قرار دئے گئے، اور مدت ہاے دراز کی غور و فکر، کدوکاوش، بحث و تکرار کے بعد بھی فیصلہ نہ ہوسکا کہ ترجیح کا مسند نشین کسکو کیا جائے،

اس بنا پر مدت سے میرا ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ و تنقید لکھی جائے، جس سے اندازہ

ہوسکے کہ اُردو شاعری، باوجود کم مایگی زبان، کیا پایہ رکھتی ہے، اس غرض کے لئے میر انیس سے زیادہ
کوئی شخص انتخاب کے لئے موزون نہین ہوسکتا تھا، کیونکہ اُن کے کلام مین شاعری کے جس قدر اصناف
پائے جاتے ہین، اور کسی کے کلام مین نہین پائے جاتے، شکر ہے کہ آج اُس ارادہ کے پورے
ہونے کی نوبت آئی، اور یہ کتاب، ناظرین کی خدمت مین پیشکش ہے، اس کتاب مین میر انیس کا موازنہ بھی
مرزا دبیر سے کیا گیا ہے اور اس مناسبت سے اسکا نام **موازنہ** ہے۔

شاعری کیا چیز ہے؟ یہ ایک نہایت مفصل اور دقیق بحث ہے۔ ارسطو نے اس پر ایک مستقل کتاب
لکھی ہے جسکا ترجمہ عربی زبان مین ابن رشد نے کیا اور اسکا بڑا حصہ چھپ کر شایع بھی ہو چکا ہے۔ ابن رشیق
قیروانی اور ابن خلدون نے بھی اسپر بحث کی ہے۔ انگریزی زبان مین نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابین، اس مسئلہ
پر لکھی گئی ہین جن مین سے بعض میری نظر سے بھی گزری ہین، گو مین اُن سے اچھی طرح مستفید نہین ہوسکا،
شعر العجم مین، مین اس مضمون کو انشاء اللہ نہایت تفصیل سے لکھون گا، یہان صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ
کہ شاعری کے دو جز ہین **مادّہ و صورت** - یعنی کیا کہنا چاہیئے اور کیونکر کہنا چاہیئے؟ انسان کے دل مین
کسی چیز کے دیکھنے، سننے - یا کسی حالت، یا واقعہ کے پیش آنے سے، جوش، و مسرت - عشق و محبت،
درد و رنج، فخر و ناز - حیرت و استعجاب - طیش و غضب، وغیرہ وغیرہ کی جو حالت پیدا ہوتی ہے اسکو **جذبات** سے تعبیر
کرتے ہین، ان جذبات کا ادا کرنا شاعری کا اصلی ہیولی ہے، انکے سوا عالم قدرت کے مناظر، مثلاً گرمی و سردی، صبح و شام،
بہار و خزان، باغ و بہار - وشت و صحرا، کوہ و بیابان، کی تصویر کھینچنا، یا عام واقعات اور حالات کا بیان کرنا بھی اسی
مین داخل ہے،

لیکن یہ شرط ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس انداز سے کہا جائے کہ جو اثر شاعر کے دل مین ہے وہی
سننے والون پر بھی چھا جائے، یہ شاعری کا دوسرا جز یعنی اسکی **صورت** ہے، اور انہی دونون جزون کے مجموعہ کا نام
شاعری ہے - باقی، خیال بندی، مضمون آفرینی، دقت پسندی، مبالغہ، صنایع و بدایع، شاعری کی حقیقت مین

داخل نہین، اگرچہ بعض جگہ یہ چیزین، نقش و نگار اور زیب زینت کا کام دیتی ہین۔

میر انیس کی شاعری کو اسی معیار سے جانچنا چاہیئے جسکا مختصر اً بیان ہوا، جس شخص کو یہ معیار تسلیم نہ ہو اسکے سامنے میر انیس کی نسبت، کمال شاعری کا دعوی نہین کیا جاسکتا،

میر انیس اور تمام اور مرثیہ گویون کے کلام مین جن لوگون کا ذکر اکثر آتا ہے، اور جو مرثیہ کے ہیرو ہین، اُن کا نام، اور اُن کی خصوصیات ذیل مین اس غرض سے لکھی جاتی ہین کہ واقعہ، اور روایت کے سمجھنے مین مدد ملے اور محاسن شعری، اور اسالیب بلاغت کے نکات سمجھ مین آئین،

حضرت عباس — حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی ہین، اور گو حقیقی بھائی نہین لیکن حقیقی بھائیون سے زیادہ مخلص اور جان نثار ہین، اس خصوصیت کو ہر جگہ دکھایا ہے۔ اس کے ساتھ ان کی شجاعت و بہادری اور جوانانہ جوش کو ہر موقع پر نمایان کیا ہے۔

حضرت زینبؑ — حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن، جو سب سے زیادہ امام علیہ السلام سے محبت رکھتی تھین، انکے دو صاحبزادے تھے، عون و محمد، دونون کو انہون نے امام پر نثار کر دیا،

عونؑ و محمد — حضرت زینب کے صاحبزادے۔

حضرت صغریٰ — امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی، جن کو امام علیہ السلام، مدینہ مین چھوڑ آئے، ان کی جدائی اور رخصت کو، تمام مرثیہ گویون نے بڑے درد اور اثر کے ساتھ لکھا ہے

حضرت سکینہ — امام علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جو قید خانہ کی تکلیفون سے انتقال کر گئین (حسب خیال مرثیہ گویان اُردو)

حضرت علی اکبر — امام علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے، ان کو حضرت زینبؑ نے پالا تھا،

اور اپنے بیٹون سے زیادہ انکو عزیز رکھتی تہین، اس بنا پر وہ حضرت زینبؑ ہی کو اپنا مالک و مختار سمجھتے تے، اور ان سے زیادہ اُنکا ادب کرتے تہے،

علی اصغر — امام علیہ السلام کے شش ماہہ صاحبزادے جنکو دشمنون نے امام علیہ السلام کی گود مین شہید کیا۔

حضرت سجاؔد — امام زین العابدین، جو بیماری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے تہے اور دشمن ان کو بیڑیان پہنا کر شام تک پیادہ پا لے گئے تہے،

حضرت شہربانو — امام علیہ السلام کی حرم محترم جو نوشیروان کی پوتی تھین،

حُر — یزید کے رسالہ کا سپہ سالار تہا، لیکن خدا نے ہدایت کی، اور امام علیہ السلام کی فوج مین آکر شامل ہو گیا،

مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ

عرب مین جو فارسی اور اُردو شاعری کا سرچشمہ ہے، شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، اور یہی ہونا چاہیئے تھا، عرب مین شاعری کی ابتدا بالکل فطرت کے اصول پر ہوئی، یعنی جو جذبات دلون مین پیدا ہوتے تھے، وہی اشعار مین ادا کردیے جاتے تھے، جذبات مین، درد و غم کا جذبہ، اور جذبات سے قوی تر ہے، اور جس جوش سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور جذبات ظاہر نہین ہو سکتے، فرض کرو، ایک شخص کے گھر مین بہت تمناؤن کے بعد بیٹا پیدا ہوا، تو اُس کو بہت کچھ خوشی ہوگی لیکن وہ اس خوشی کو کسی مجمع عام مین، اشعار یا خطبہ کے ذریعہ سے ظاہر نہین کریگا، اور کرے بھی تو کلام مین کوئی غیر معمولی تاثیر نہوگی، لیکن اگر یہی لڑکا مرجائے تو اسکی کیا حالت ہوگی؟ وہ سرتاپا جوش بن جائیگا، اُسکی آہ وزاری لوگون کو تڑپا دیگی، اور اگر وہ شاعر ہے، تو اُسکے مرثیے دلون پر نشتر کا کام دین گے۔

بہرحال عرب مین چونکہ شاعری کی ابتدا اظہار جذبات سے ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، جو سب سے قوی تر جذبہ کا اثر ہے۔

مرثیئے عین اُس حالت مین کہے جاتے تھے، جبکہ شاعر کا دل درد و غم سے لبریز ہوتا تھا، اس کا شاعری

قصائد پر مرثیہ کا اثر

پر ایک خاص اثر یہ ہوا کہ **قصائد** کی ابتدا جو عام طور تشبیب اور غزل سے کی جاتی تھی، مرثیہ کے قصائد مین یہ طرز متروک ہوگیا، کیونکہ رنج و غم کی حالت مین عشق و محبت کے خیالات کا کیا موقع تھا، عرب مین اسکی مخالف صرف ایک مثال موجود ہے، یعنی درید بن الصمہ ایک شاعر نے اپنے بھائی کا مرثیہ جو لکھا اس کی ابتدا غزل سے کی تھی، جس کا مطلع یہ تھا۔

أراكَ جديدُ الحبل مِن ام معبد	لعاقبةٍ او اخلفت كُلّ موعدا

لیکن اسکی وجہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین یہ لکھی ہے کہ یہ مرثیہ، واقعہ کے پورے ایک برس کے بعد لکھا گیا تھا۔

اگرچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین مرثیہ گوئی کو بہت ترقی ہو چکی تھی، اور بہت سے شعرا نے بڑے بڑے پُر اثر مرثیے لکھے تھے لیکن دو شخص اس زمانہ مین بہت نامور ہوئے خنسا، اور متمم بن نویرہ۔ خنسا ایک عورت تھی جس کو اپنے بھائی صخر سے بے انتہا محبت تھی۔ صخر ایک لڑائی مین مارا گیا، خنسا پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ اسکے حواس جاتے رہے، اس نے صخر کی پھٹی پرانی جوتیون کا ہار بنا کر گلے مین ڈالا اور دیوانہ وار پھرنے لگی، اسی حالت مین صخر کے مرثیے کہنے شروع کئے، ان مرثیون کو پڑھتی تھی، اور نوحہ کرتی تھی، ایک دفعہ اسی حالت مین حج کو گئی، یہ حضرت عمر فاروق کا زمانہ تھا، وہ حرم کا طواف کرتی، اور سینہ پر دوہتڑ مارتی جاتی تھی، حضرت عمر نے دیکھا تو ڈانٹا، اس نے اپنی داستان بیان کی، حضرت عمر نے کہا ہان! لیکن ماتم کے اس طریقے کو اسلام نے مٹا دیا، وہ اور بیتاب ہو گئی، اور اُس وقت بے اختیار اُس کی زبان سے چند شعر نکلے، جن کا مطلع یہ ہے۔

هريقي من دموعك واستفيقي	وصبراً ان اطقت ولم تطيقي

(اپنے نفس سے مخاطب ہو کر) آنسو بہا اور اس سے تسلی حاصل کر، اور صبر کر اگر تجھ سے کیا جائے، لیکن تو کر نہین سکنے کی،

متمم بن نویرہ بھی اسی زمانہ مین تھا اور وہ بھی اپنے بھائی کا شیفتہ اور عاشق تھا، ایک لڑائی مین خالد بن الولید نے اس کے بھائی کو مار ڈالا۔ اس پر متمم کی یہ حالت ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر نکلا، اور قبائل عرب مین پھرنا شروع کیا، جہان پہونچتا تھا تمام زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے، وہ دردانگیز لہجہ مین مرثیہ پڑھتا، اور ہر طرف سے گریہ وزاری کی آواز بلند ہوتی" اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگون نے سمجھایا، کہ تم جلد ہلاک ہو جاؤ گے، اور تمھارے خاندان کی کوئی یادگار باقی نہ رہے گی، اس لئے تم شادی کر لو کہ اولاد کے ذریعہ سے خاندان کا نام رہ جائے،،

لوگون کے اصرار سے مجبور ہوکر اُسنے شادی کی، لیکن بیوی کی طرف التفات نہ کرسکا، آخر طلاق دینی پڑی،
اسی حالت مین حضرت عمرؓ کے پاس آیا، وہ اُس وقت مسجد نبوی مین تشریف رکھتے تھے، "متمم نے مرثیہ کے
اشعار پڑھنے شروع کئے، حضرت عمرؓ اگرچہ نہایت مضبوط دل کے آدمی تھے، لیکن ضبط نہ کرسکے، "بے اختیار
آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، متمم مرثیہ پڑھ چکا تو حضرت عمرؓ نے کہا، الیٰ ما بلغ بك الحال،" یعنی تیرے غم
کی حالت کس حد تک پہونچی ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین! بچپن مین مجھکو ایک عارضہ ہوگیا تھا، جسکی وجہ سے
میری بائین آنکھ کی رطوبت جاتی رہی تھی، مین کبھی روتا تھا تو اُس آنکھ سے آنسو نہین نکلتے تھے،" بھائی کے
مرنے کے بعد جو اس آنکھ سے آنسو جاری ہوئے تو ابتک نہین تھمے۔

حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایش کی کہ اُن کے بھائی زید کا مرثیہ لکھے، اُسنے فرمایش پوری کی، لیکن جب
دوسرے دن جاکر حضرت عمرؓ کو سنایا، تو حضرت عمرؓ نے کہا، کہ اسمین تو وہ درد نہین ہے، اس نے کہا، امیر المومنین!
زید آپ کے بھائی تھے میرے بھائی نہ تھے،

اس زمانہ تک مرثیہ صرف وہ لوگ کہتے تھے جن پر کوئی غیر معمولی حالت طاری ہوتی تھی، اس کے بعد جب
شاعری اصلی حالت سے بدل کر کسب معاش کا ذریعہ بنی تو مرثیہ گوئی کو خود بخود زوال ہوا کیونکہ مدحیہ قصائد کی طرح اس سے
کچھ صلہ نہین مل سکتا تھا، تاہم چونکہ عرب مین ابھی تک قدیم اوصاف کچھ کچھ باقی تھے اس لئے بعض مرثیے اس
زمانہ کے بھی ایسے ملتے ہین جن مین اثر اور جوش پایا جاتا ہے۔

اسی زمانہ مین کربلا کا قیامت انگیز واقعہ پیش آیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ اگر عرب کے اصلی جذبات موجود
ہوتے تو اس زور کے مرثیے لکھے جاتے کہ تمام دنیا مین آگ لگ جاتی۔ لیکن اُدھر تو عرب کے پُرزور جذبات
مین انحطاط آچکا تھا، اِدھر بنو امیہ کی ظالمانہ سطوت اور جباری نے تمام شعرا کی زبانین بند کردی تھین، فرزدق
بنو امیہ کے پایۂ تخت کا شاعر تھا، لیکن جب اسنے ایک موقع پر فوری جوش سے حضرت امام زین العابدینؑ کی
مدح مین فی البدیہہ چند شعر کہے تو عبد الملک بن مروان نے اسکو جیل خانہ بھیجدیا۔

بنو امیہ کے بعد دولت عباسیہ کا دور آیا، اس عہد مین شاعری کو بہت ترقی ہوئی لیکن اُنھی اصناف کو ترقی ہوئی جن کو صلہ اور انعام سے تعلق تھا، اسلئے مرثیہ گوئی اب بھی اُسی حالت مین رہی۔

البتہ معن اور جعفر برمکی کی فیاضیون نے ایک عالم کو ممنون احسان بنا رکھا تھا، اس سے لئے اُنکے مرنے پر جو مرثیئے لکھے گئے، اُن مین سے اکثر پُر اثر اور درد انگیز تھے[1]۔

فارسی مرثیئے

فارسی شاعری کی بنیاد تکلف، آورد، اور مداحی پر قائم ہوئی تھی، اس لئے شاعری کے وہ انواع جنکو جذبات سے لازمی تعلق تھا دفعۃً پستی کی حالت مین آ گئے، تاہم چونکہ آغاز مین ہر چیز مین فطرت کا اثر پایا جاتا ہے، اس لئے فردوسی اور فرخی وغیرہ کی شاعری مین جابجا جذبات کا اظہار بہت خوبی کے ساتھ نظر آتا ہے۔

فردوسی نے سہراب کا مرثیہ جو اس کی ماں کی زبان سے لکھا ہے، اُس کے اشعار سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

بمادر خبر شد کہ سہراب گرد ... ز تیغ پدر خستہ گشت و بمرد

خروشید و جوشید و جامہ درید ... بزاری بران کودک نارسید

بزد چنگ و بدرید پیراہنش ... درخشان شد آن لعل زیبا تنش

برآورد بانگ و غریو و خروش ... زمان تا زمان زو ہمی رفت ہوش

فرو برد ناخن دو دیدہ بکند ... برآورد بالا و در آتش فگند

مر آن زلف چون تاب دادہ کمند ... بہ انگشت پیچید و از بُن بکند

روان گشت از روی او جوی خون ... زمان تا زمان اندر آمد نگون

ہمہ خاک تیرہ بسر بر فگند ... بدندان ز بازوی خود گوشت کند

[1] عرب کی مرثیہ گوئی کا مضمون ایک نہایت وسیع مضمون ہے لیکن ہمکو اقتضا سے مقام سے نہایت اختصار کرنا پڑا، کتاب العمدہ ابن رشیق نے باب المراثی مین اسپر مفصل بحث کی ہے۔

بسر بر فگند آتش و برفروخت   همه موی مشکین بآتش بسوخت

همی گفت کای جان مادر کنون   کجائی سرشته بخاک و بخون ؟

دو چشم به ره بود گفتم مگر   ز سهراب و رستم بیابم خبر

گمانم چنان بود، گفتم کنون   بگشتی بگرد جهان اندرون

پدر را همی جستی و یافتی   کنون آمدن نیز بشتافتی

چه دانستم ای پور کاید خبر   که رستم بخنجر دریدت جگر

دریغش نیامد ازان روی تو   وزان برز و بالای و بازوی تو

بپرورده بودم تنش را بناز   برخشنده روز و شبان دراز

کنون آن بخون اندرون غرقه گشت   کفن بر تن پاک او خرقه گشت

کنون من کرا گیرم اندر کنار   که خواهد بدن مر مرا غمگسار

کرا گویم این درد و تیمار خویش   کرا خوانم اکنون بجای تو پیش

پدر جستی ای گرد لشکر پناه   بجای پدر گورت آمد براه

از امید ناامید گشتی تو زار   بخفتی بخاک اندرون زار و خوار

ازان پیش کو دشنه را برکشید   جگرگاه سیمین تو بردرید

چرا آن نشانی که مادرت داد   ندادی بدو بر نکردیش یاد

نشان داده بد از پدر مادرت   ز بهر چه نامد همی باورت

کنون مادرت ماند بی تو اسیر   پر از درد و تیمار و رنج و زحیر

چرا نامدم با تو اندر سفر   که گشتی بگردان گیتی سمر

مرا رستم از دور بشناختی   ترا با من ای پور بنواختی

بنید اختی تیغ آن سر فراز	نکردی جگر گاہت اے پور باز
ہمی گفت ومی خست دسیکند موے	ہمی زدکف دست برخوب روے
ہمی گفت مادرت بیچارہ گشت	بہ خنجر جگر گاہ تو پارہ گشت

اسی زمانہ کے قریب سلطان محمود کی وفات پر فرخی سنے مرثیہ لکھا جو نہایت موثر اور درد انگیز ہے ۵

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار	چہ فتاد است؟ کہ امسال دگرگون شد کار
کوچہا بینم، پر شورش و سرتا سر کوے	ہمہ پر جوشن و جوشن در وپر خیل و سوار
ملک امسال دگر باز نیامد ز غزا	دشمنے روے نہاد است درین شہر و دیار
آہ و دردا کہ بیکبارہ تہی بینم ازو	کاخ محمودی و آن خانۂ پر نقش و نگار
سیر می خوردہ مگر دی، دنخفتہ است امروز	دیر ترخاست، مگر رنج رسیدش زخمار
خیز شاہا! کہ رسولانِ شہان آمدہ اند	ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار
کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا	خفتنی خفتی، کز خواب نگردی بیدار
خفتنِ بسیار، اے خسروا خوے تو نبود	ہیچ کس خفتہ ندید است ترا زین کردار
یک دمک، بارے ورخانہ بباید نشست	تا بدیدند روے تو عزیزان و تبار
بہ حصار از فزع و بیم تو رفتند شہان	تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بکنار؟
شعرا را بتو بازار برافروختہ بود	رفتی و با تو بیکبارہ برفت آن بازار

اس دور کے بعد مرثیے بہت کم لکھے گئے اور جو لکھے گئے وہ صرف رسمی مرثیے تھے، جن سے شاعری کے تمام اقسام پر قادر ہونے کا اظہار مقصود تھا، البتہ شیخ سعدی اور امیر خسرو کے دو مرثیے، بہت مشہور ہین، اور چونکہ دل سے نکلے ہین، حسرت خیز اور درد انگیز ہین، لیکن چونکہ اس زمانہ کی عیش و طرب کی مجلسین غزل کے ترانون سے گونج رہی تھین اسلئے ان کا اثر عام نہین ہوا، جب صفویہ اور تیموریہ کا دور آیا تو شاعری نے ایک

دوسرا قالب اختیار کیا، اور سنائی، نظیری، عرفی کی زود آوریون نے پرانی بنیادین مٹاکر نئی عمارتین قائم کین، اس زمانہ مین محتشم کاشی نے عام دستور کے موافق شاہ طہماسپ صفوی کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا طہماسپ کو خاندانِ رسالت سے عشقیہ نیازمندی تھی، اس بناپر اسنے کہا کہ مین اس بات کو ہرگز پسند نہین کرتا کہ میری مدح مین قصائد لکھے جائین، شعرا کو ائمہ اہل بیت کی شان مین طبع آزمائی کرنی چاہیے، جسکا اصلی صلہ خدا کے دربار سے ملیگا اور دنیوی تمتعات دربارشاہی سے حاصل ہونگے، محتشم نے اس خواہش کے موافق آٹھہ دس بندون کا ایک مرثیہ لکھا جو درد و غم کی مجسم تصویر ہے، اور جس کا جواب آج تک نہو سکا اس مرثیہ کے چند بند یہ ہین،

مرثیہ محتشم کاشی

چون خون زحلق تشنۂ او بر زمین رسید
جوش از زمین بہ ذروۂ عرش برین رسید

نخلِ بلند او چو خسان بر زمین زدند
طوفان بہ آسمان زغبار زمین رسید

باد آن غبار چون بمزار نبی رساند
گرد از مدینہ بر فلک ہفتمین رسید

کرد این خیال وہم غلط کار۔ کان غبار
تا دامن جلال جہان آفرین رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذو الجلال
او در دل است و ہیچ دلے نیست بے ملال

ترسم جزاے قاتل او چون رقم زنند
یکبار بر جریدۂ رحمت قلم زنند

ترسم کزین گناہ شفیعان روز حشر
دارند شرم کز گنہ خلق دم زنند

دستِ عتاب حق، بدر آید ز آستین
چون اہل بیت، دست بر اہل ستم زنند

آہ از دمے کہ با کفن خون چکان زخاک
آل علی چو شعلۂ آتش علم زنند

فریاد ازان زمان کہ جوانانِ اہل بیت
گلگون قدم بہ عرصۂ محشر قدم زنند

از صاحب حرم چه توقع کنند باز — آن ناکسان که تیغ بصید حرم زنند

بس بر سنان کنند سرے را که جبرئیل
شوید غبار گیسویش از آب سلسبیل

برحربگاه[۱] چون ره آن کاروان فتاد — شور نشور واهمه را در گمان فتاد

هم بانگ نوحه، غلغله در شش جهت فگند — هم گریه بر ملائک هفت آسمان فتاد

چندان که بر تن شهدا چشم کار کرد — بر زخم هائے کاری تیغ و سنان فتاد

ناگاه چشم دختر زهرا دران میان — بر پیکر شریف امام زمان فتاد

بے اختیار نعره هذا الحسین ؑ ازو — سر زد چنانکه آتش ازو در جهان فتاد

پس با زبان پر گله آن بضعة البتول
رو در مدینه کرد که یا ایها الرسول

این کشته فتاده به هامون حسین ؑ تست — وین صید دست و پا زده در خون حسین ؑ تست

این غرقهٔ محیطِ شهادت، که روئے دشت — از موج خون او شده گلگون حسین ؑ تست

این خشک لب فتاده ممنوع از فرات — کز خون او زمین شده جیحون حسین ؑ تست

این شاه کم سپاه که باخیل اشک و آه — خرگاه ازین جهان زده بیرون حسین ؑ تست

این قالب طپان که چنین مانده بر زمین — شاه شهید ناشده مدفون حسین ؑ تست

پس روئے در بقیع به زهرا خطاب کرد
وحش زمین و مرغ هوا را کباب کرد

کائے مونس شکسته دلان حال ما ببین — ما را غریب و بیکس و بے آشنا ببین

[۱] ایک بند اس سے پہلے کا چھوڑ دیا گیا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد مخالفین اہل حرم کو بے عماری کے اونٹوں پر سوار کر کے شہدا کی لاشوں کے سامنے سے لیگئے ۱۲

تنہا سے کشتگان ہمہ درخاک وخون نگر	سرہا سے سروران ہمہ بر نیزہا ببین
آن سر کہ بود بر سر دوش نبیؐ مدام	یک نیزہ اش ز دوش مخالف جدا ببین
وان تن کہ بود پرورشش در کنار تو	غلتان بہ خاک معرکہ کربلا ببین
در خلد بر حجاب دو کون آستین فشان	واندر جہان مصیبت ما برملا ببین
نے نے درا چو ابر خروشان بکربلا	طغیان سیل فتنہ و موج بلا ببین

یا بضعۃ البتول زابن زیاد داد ❊

کو خاک اہل بیت رسالت بباد داد

محتشم کے مرثیہ کو اگرچہ حد سے بڑھکر حسن قبول حاصل ہوا، اور دربار شاہی سے صلہ اور انعام بھی ملا، لیکن تمام ملک مین تصیدہ اور مدح کا رنگ اس قدر چھایا ہوا تھا، کہ عام شعرا پر اس کا چندان اثر نہین پڑا، طالب آملی غزالی - میلی - سلیم - کلیم وغیرہ شعرا سے متاخرین کے کلام مین اور سب اصناف سخن پائے جاتے ہین - لیکن مرثیہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے - حاجی محمد جان قدسی نے اپنے بیٹے کا جو نوجوان مرگیا تھا، نہایت پر درد مرثیہ لکھا، لیکن نوباوہ رسالت کے غم مین دو شعر بھی نہ لکھے، ظہوری نے البتہ بہت سے مرثیے لکھے، لیکن وہ اپنا دلی جوش نہ تھا، بلکہ ابراہیم عادل شاہ کی خوشامد تھی - چنانچہ اکثر مرثیون کے خاتمہ مین ابراہیم عادل شاہ کا نام اس طرح آتا ہے جس طرح قصائد مین تشبیب کے بعد گریز -

ایک بند کے خاتمہ کا شعر ہے ؎

سرکن زروے صدق ظہوری رہ دعا	از گفتگو، دعاے شہنشاہ مدعا است

خود کہتا ہے کہ مرثیہ سے صرف بادشاہ کی دعا مقصود ہے -

ایک اور مرثیہ کا خاتمہ ہے ؎

ایام ازان بہ کام حسینؑ و حسنؑ نبود	کان روز شہریار سریر دکن نبود

ایک اور موقع پر فرماتے ہین ؎

روزے کہ سرور شہدا بے سپاہ بود	ہنگام کارزار براہیم شاہ بود

اس خوشامد کا کیا ٹھکانا ہے کہ حسین علیہ السلام کی ناکامیابی کی یہ وجہ تھی کہ اس زمانہ مین بادشاہ دکن موجود نہ تھا۔

محتشم کے بعد مقبل نے مرثیہ گوئی کی طرف خاص توجہ کی، اسنے مرثیہ ہی کو شاعری کا موضوع قرار دیا، نہایت کثرت سے مرثیے لکھے، اور بڑا کام یہ کیا کہ کربلا کے تمام واقعات، ابتدا سفر سے لیکر اہل حرم کے قید ہونے، اور رہائی پاکر مدینہ مین آنے تک، سادہ طریقہ پر لیکن تفصیل کے ساتھ، ان مرثیون مین ادا کر دیے، اُس کے مرثیون کو مرثیہ کی بہ نسبت تاریخ کہنا زیادہ موزون ہے، اس غرض کے لئے اس نے ترکیب بند وغیرہ چھوڑ کر مثنوی کا طریقہ اختیار کیا، اور مثنوی مین بھی قدیم معمولی بحرین اختیار نہین کین، بلکہ قصائد کی بحر انتخاب کی، تاکہ ہر قسم کے مطالب بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوسکین، اور سوزخوانی کے کام بھی آئین، کیونکہ مثنوی کی مروجہ بحرون مین سوزخوانی کے اُتار چڑھاؤ کی کپت نہین ہوسکتی تھی۔

مقبل کے مرثیون مین اگرچہ وہ زور اور بندش کی چستی نہین ہے، جو اس دور کا خاصہ ہے، لیکن درد اور تاثیر سے خالی نہین، نمونہ کے لئے ہم صرف چند شعر لکھتے ہین ؎

مخدرات بہ عباس در سخن بودند	برائے رفتن او در گریستن بودند
کہ از درون سراپردہ بافغان وخروش	سکینہ آمد ویک مشک خالی بردوش
دوان بخدمت عم بزرگوار آورد	چنان کہ اہل حرم را بزار زار آورد
بگریہ گفت کہ اے عم خوش قرینۂ من	رسید جان بلب از تشنگی زسینۂ من
چہ واقع است کہ رحمے بخلق دوران نیست	چہ شد کہ جرعہ آبے درین بیابان نیست
چو دید حضرت عباسؑ بے قراری او	گسیخت بند دلش از فغان وزاری او

مقبل کے بعد ایران مین مرثیہ گویون کا ایک خاص گروہ پیدا ہوگیا، اور مرثیہ کے اور بہت سے اقسام پیدا ہوگئے،، مثلاً نوحہ، پیش خوانی وغیرہ،،

ہندوستان مین مرثیہ گوئی کی ابتدا

ہندوستان مین شاعری کی ابتدا ولی سے ہوئی، ولی نے اگرچہ کربلا کے حالات مین ایک خاص مثنوی لکھی لیکن اسکے کلام مین مرثیہ کا پتہ نہین لگتا، یہ معلوم نہین کہ مرثیہ کی ابتدا کس نے کی، لیکن اسقدر یقینی ہے کہ سودا اور میر سے پہلے مرثیہ کا رواج ہوچکا تھا سودا نے اپنے شہر آشوب مین میان مسکین مرثیہ گو کا ذکر کیا ہے ؎

اسقاطِ حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا
پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہے

میر تقی صاحب کے دیوان مین اگرچہ کوئی مرثیہ نہین، لیکن مرثیہ انھون نے بھی کہا ہے، اُنکے ایک مرثیہ کا ردّ مرزا سودا نے لکھا ہے، جسکے چند شعر یہ ہین، ؎

دلون پر محبون کے حالت عجب ہے
مصیبت ہے، ماتم ہے غم ہے تعب ہے

غرض کیا کہون کس روش کا غضب ہے
حسینؑ علیؑ کی شہادت کی شب ہے

کوئی دل نہین جس کو ماتم نہو گا ؞
وہ دل دیر ہے جس مین یہ غم نہو گا

یہ دن کچھ قیامت سے بھی کم نہو گا ؞
قیامت مین یہ کچھ نہو گا جواب ہے

بجا ہے کہ لوہو کے دریا بہائے
یہ کشتی فلک کی لہو مین ڈبائے

شہِ تشنہ لب کا کسے غم سنائے
یہ کس مُنہ سے کہئے کہ وہ تشنہ لب ہے

اسوقت تک مرثیے عموماً چو مصرع ہوتے تھے، غالباً سب سے پہلے سودا نے مسدس لکھا جو اُن کے دیوان مین موجود ہے، اُردو مین مرثیہ کی وسعت اور ترقی کا یہ پہلا قدم تھا، کیونکہ چو مصرع مین اول سے آخر تک ایک خاص قافیہ کی پابندی کی وجہ سے ہر قسم کے مطالب نہین ادا کیے جا سکتے تھے،

میر انیس کے اس مصرع سے ع پانچوین پشت ہے شبیرؑ کی مداحی مین، ثابت ہوتا ہے کہ میر ضاحک صاحب

نے جو میر انیس کے پردادا اور سودا کے معاصر تھے، اور میر حسن اُنکے بیٹے نے بھی مرثیہ لکھا ہے، لیکن ضاحک کا کلام تو سرے سے مفقود ہے، میر حسن کا دیوان مدت ہوئی مین نے دیکھا تھا، یاد نہین آتا، کہ اس مین مرثیہ بھی ہے یا نہین -

یہ امر تعجب سے خالی نہین کہ میر تقی، اور مرزا سودا جیسے قادر الکلام نے بھی مرثیہ کو چندان ترقی نہین دی، اور میر ضمیر تک یہ فن گویا ابتدائی ہی حالت مین رہا، چنانچہ سودا کے مسدس کا ایک بند ہم نقل کرتے ہین، جس سے اس زمانہ کی مرثیہ گوئی کا اندازہ ہوگا، ع

کس سے اے چرخ کہون جا کے تری بیدادی
ہاتھ سے کون نہین آج تیرے فریادی
جو ہے دنیا مین سو کہتا ہے مجھے ایذا دی
یان تلک پہونچی ہے ملعون تیری بیدادی

کون فرزند علی پر یہ ستم کرتا ہے
کیون مکافات سے اسکے تو نہین ڈرتا ہے

خویش و فرزند و عزیز اسکے تہ تیغ جفا ہے
اہل بیت اُسکے جو باقی ہین سو ہین آوارے
دشنہ و تیغ سے، تین ظالمون کے سب مارے
قید مین کوفیون کے جاتے ہین وہ بیچارے

نہ اُنھین چین ہے دن کو نہ اُنھین رات آرام
اس مصیبت مین چلے جاتے ہین کربل سے شام

شاید یہ خیال ہو کہ اسوقت تک شعرا مرثیہ کو محض ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور اس وجہ سے شاعرانہ طباعی و رنگ آمیزی سے اجتناب کرتے تھے ان کا مقصد صرف رونا رلانا ہوتا تھا، جس کو شاعری سے تعلق نہین، لیکن یہ خیال صحیح نہین، مرزا سودا، میر تقی کے مرثیہ کی رد کی تمہید مین لکھتے ہین،

"لیکن مشکل ترین دقائق، طریقہ مرثیہ کا معلوم کیا، کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ مین ربط معنی دیا، اس کام میں مجھتنم سا کسو نے عز قبول نہین پایا، پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے نہ کہ برائے گریہ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے"

اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ مرزا مرثیہ کو مشکل ترین فنون سمجھتے تھے، اور اس کا مقصد محض گریۂ عوام نہیں قرار دیتے تھے،

غرض اس زمانہ مین جو کچھ ترقی ہوئی وہ صرف استعداد تھی کہ مرثیے چومصرع سے مسدس ہو گئے، سب سے پہلے جس شخص نے مرثیہ کو موجودہ طرز کا خلعت پہنایا، وہ میر ضمیر، مرزا دبیر کے استاد ہین، میر ضمیر کے مرثیے چھپ کر شائع ہو چکے ہین، انہون نے مرثیہ مین جو جدتین پیدا کین حسب ذیل ہین -

میر ضمیر

۱، رزمیہ لکھا،

۲، سراپا ایجاد کیا،

۳، گھوڑے - تلوار اور اسلحۂ جنگ کے الگ الگ اوصاف لکھے، اور یہی مضامین آج موجودہ مرثیون کے مہمات موضوع ہین -

۴، واقعہ نگاری کی بنیاد ڈالی، چنانچہ ایک ایک جزئی واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا -

۵، سب سے بڑھ کر یہ کہ کلام مین زور، اور بندش مین چستی اور صفائی پیدا کی، غلط الفاظ جو مرثیون کے لیئے گویا جائز مان لیئے گئے تھے اکثر ترک کر دیئے - اُن کے عمدہ کلام کا اگر انتخاب کیا جائے، تو میر انیس کا کلام معلوم ہوگا

اب سے پہلے مرثیہ سوز کے لہجے مین پڑھے جاتے تھے، اب تحت لفظ کا بھی رواج ہوا اور غالباً پہلا شخص جس نے منبر پر بیٹھ کر تحت لفظ پڑھا میر ضمیر صاحب تھے

نئی تشبیہات - لطیف استعارے - مبالغہ - واقعہ نگاری - مناظر قدرت کی تصویر - غرض میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کے جس قدر محاسن ہین، ضمیر کے ہان سب پائے جاتے ہین - یہ ضرور ہے کہ میر ضمیر کے ہان ان کا رنگ ہلکا تھا، ان دونون صاحبون نے شوخ کر دیا - میر ضمیر کے ہر نمونہ کے چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین -

روزمرہ اور صفائی

جا کے میدان مین کس طرح یہ محبوب لڑے	یہ تو کہئے کہ غلام آپ کے کچھ خوب لڑے
چاہتا تھا کہ کرون ضبط یہ چُپ رہتا تھا	پوچھو اکبر سے مین ہر بار یہ کیا کہتا تھا
چیر کر فوج کو اس پار سے اُس پار گئے	مین نے خود دیکھا کہ دریا پہ کئی بار گئے

ایضاً

واقعہ نگاری

پانی تو پی نہین حیدر کے نواسے آئے — بولے عباس کہ پیاسے گئے پیاسے آئے

قریب جاتے ہی ہندہ نے اُٹھا تھا ہات — کہا سلام علیک اے ضعیفۂ نیک صفات

وہان سے لائے اُٹھا کر تو پھر کہی یہ بات — سمجھ مین کچھ نہین آتے ہین آپکے حالات

وہ روشنی ہین بغور اُنکے مُنہ کو تکتی تھی
اگرچہ قصد تھا پر کچھ وہ نہ کہہ سکتی تھی

کہا یہ ہندہ نے کچھ مین نے تم کو پہچانا — کہین ہے شہر مدینہ مین ظاہر ادیکھا

محلہ ہے وہان مشہور آل ہاشم کا — ہمیشہ آمد و شد تھی غرض مری اُس جا

ضرور دیکھا ہے آل عقیل و جعفر مین
و یا جناب رسالتمآب کے گھر مین

سو اس کلام سے مطلب ہے یہ خدا ہے گواہ — جناب فاطمہؑ کے گھر مین ہے تمھین کچھ راہ

خصوص زینبؑ و کلثومؑ سے بھی ہو آگاہ — ہین دونون بی بیان شہزادیان مری واللہ

وہ سب تو ایک طرف پر امام اچھے ہین
کہو حسین علیہ السلام اچھے ہین

تشبیہ

پنہان زرہ مین ہوتی تھی اسطرح سے سنان — بجلی چمک کے ہوتی ہے جون ابر مین نہان

اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان — تھا اژدہا سے موسئ عمران کی وہ زبان

نیزہ کی یہی تشبیہ ہے جسکو میر انیس صاحب نے زیادہ لطیف اور صاف کردیا ہے چنانچہ کہتے ہین ع گویا زبان نکالی ہوئی اژدہا چلا، میر انیس نے اسی جو دو نیزون کے باہم ٹکرانیکا مضمون پیدا کیا اور اس لطف کو دوبالا کردیا ہے ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے،

حسن تعلیل

تھا دیدۂ حیران، ہر اک زخم بدن مین — انگشت تاسف تھی زبان سبکے دہن مین — میر ضمیر

مبالغہ

گھوڑا وہ تیز رو ہے کہ ناگاہ ایک بار — اتنا کہا تھا وہم نے ہان چل تو ایک بار

دونون نے ہم عنانی وسعت کی اختیار		آخر کہان وہ اور کہان وسم ہرزہ کار	

کچھ کچھ تو سا تہ سا تھ وہ مقدور بھر گیا
پھر یہ خبر نہین کہ کہان تھا کدھر گیا

اسی زمانہ مین میر خلیق صاحب نے مرثیہ کے فن کو بہت ترقی دی، میر انیس صاحب اُن کے بیٹے جا بجا اپنے مرثیون مین اُنکی فصاحت اور روز مرّہ کا ذکر کرتے ہین ایک بند مین اپنے روزمرّہ پر ناز کرتے ہین، اور کہتے ہین ع حقا کہ یہ خلیق کی ہے سربسر زبان، میر خلیق کے ایک سلام کا مطلع و مقطع مشہور ہے ؎

مجرائی طبع گند ہے لطف بیان گیا		دندان گئے کہ جوہر تیغ زبان گیا	
گذری بہار عمر، خلیق اب کہین گے سب		باغ جہان سے بلبل ہندوستان گیا	

ان اشعار سے قیاس ہوتا ہے کہ میر خلیق نے میر ضمیر سے کچھ کم اس فن پر احسان نہین کیا ہوگا، لیکن افسوس ہے کہ اُن کا کلام نہین ملتا، میر نواب صاحب نامی ایک بزرگ نے جو میر خلیق کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے، ۱۲۹۷ھ مین بمقام گلبرگہ، حیدرآباد دکن، ایک مجموعہ چھپایا تھا، جس مین میر خلیق - مونس - اور انیس کے چند مرثیے جمع کیے تھے، اس مین میر خلیق کے متعدد مرثیے ہین - لیکن اکثر وہ ہین، جو آج میر انیس کے نام سے مشہور ہین اور جو میر انیس کے چھپے ہوے مرثیون مین شامل ہین، بعض ایسے ہین جو مطبوعہ مرثیون مین شامل نہین، لیکن زبان، اور طرز ادا سے قیاس ہوتا ہے، کہ میر انیس ہی کے نتائج فکر ہین، اور اگر وہ واقعی میر خلیق کا کلام ہے، تو بیٹے کو باپ پر ترجیح کی کوئی وجہ نہین -

چند نمونے ملاحظہ ہون ؎

مرتا ہے باپ، اے علی اکبر ابھی نہ جا		دل مانتا نہین میرے دلبر ابھی نہ جا	
اے لال! سوے نیزہ و خنجر ابھی نہ جا		ہے ہے بجا شبیہ پیمبر ابھی نہ جا	

مضطر ہون چین آے پہ آتا نہین مجھے

روتے مین منہ ترا نظر آتا نہین مجھے

ماتھے کو چومتے تھے کبھی، اور دہن کبھی
روتے تھے لیکے بوسۂ سیب ذقن کبھی

تکتے تھے سوے زلف شکن در شکن کبھی
یوسف کا اپنے سونگھتے تھے پیرہن کبھی

ملتے تھے خشک ہونٹھ لب گلعذار سے
سینہ پہ رکھتے تھے کبھی مُنہ اپنا پیار سے

نوجون کا ہجوم

پیاسے پہ مثل ابر اُمنڈ آئے دل کے دل
چلون مین تیر رکھکے بڑھے روم و رے کے یل

شعلے صفت چمکنے لگے برچھیون کے پھل
تیغین اُبل ہوئین جو کھچین، ہٹ گئی اجل

دن کو سیاہی شب ظلمات ہوگئی
کھولے نشان شامیون نے، رات ہوگئی

تلوار

موجین زرہ، حباب ہین سر اسکے سامنے
رکھتی ہے کیا بساط سپر اس کے سامنے

شق ہین بہادرون کے جگر اسکے سامنے
تھکتے ہین جبرئیل کے پر اس کے سامنے

مارین کمر کا ہاتھ اگر پاون گاڑ کے
دو ٹکڑے آسیا کی طرح ہون پہاڑ کے

دیکی بدحواسی

حیران تھے کب حسام سے کاٹھی جدا ہوئی

ترکش مین ڈہونڈتے تھے کہ تلوار کیا ہوئی

میر انیس

میر انیس تقریباً ۱۲۱۸ھ مین پیدا ہوئے، انہون نے مرثیہ کو جو ترقی دی، اسکی تفصیل آگے آئیگی۔ یہان جو باتین کہنے کے قابل ہین، یہ ہین۔

ا، میر انیس کا خاندان دلی کا خاندان تھا، اگرچہ اُنکے پردادا میر ضاحک، دلی سے چلے آئے تھے، اور فیض آباد مین سکونت اختیار کرلی تھی، تاہم دہلی کی جو خصوصیات تھین وہ اخیر تک اس خاندان مین قائم رہین، میر انیس اکثر موقعون پر ناز کے لہجہ مین کہتے تھے، صاحبو! ارباب لکھنو اس طرح نہین بولتے، یہ میرے گھر کی زبان ہے"

اسی بنا پر جا بجا جگہ کو "جا گہہ" لکھا ہے، اور یہ صرف تحریری زبان نہین، وہ یون ہی بولتے بھی تھے، مین نے اپنے معزز دوستون سے، جو میر صاحب کی صحبتون مین، اکثر شریک رہا کئے ہین، سُنا ہے کہ جب کبھی اُن کی مجلس مین لوگ صفِ نعال مین اگر بیٹھ جاتے تھے، تو فرماتے تھے، صاحبو! جا گہہ ادہر ہے"، افعال کو فاعل کی مطابقت سے جمع لکھنا بھی دہلی ہی کا اثر ہے مثلاً ع جلدی مین گو جو اون نے جوتین بچائیان

۲، میر صاحب نے شاعری میراث مین پائی تھی، اُنکے مرثیہ کے جو خاص جوہر ہین وہ میراث ہی کی یادگار ہین، اُن کے دادا میر حسن گو غزل بھی کہتے تھے لیکن جس چیز نے اُن کو عالم شہرت کا تاجدار بنایا، وہ اُن کی مثنوی بدر منیر ہے" اس مثنوی کا خاص وصف، واقعات، اور کیفیات کا سین دکھانا ہے - وہ جس واقعہ یا حالت کو لکھتے ہین اسکا سمان باندہ دیتے ہین -

میر انیس کے مرثیون مین واقعات، اور کیفیات کی تصویر کھینچ دینے کی جو خصوصیت ہے، دادا کی میراث ہے - البتہ یہ فرق ہے، کہ میر حسن، واقعہ نگاری کی وسعت مین ابتذال، اور عامیانہ بول چال کی پروا نہین کرتے میر انیس نے واقعہ نگاری اور مصوری کے ساتھ، بندش کی چستی، اور خواص کی طرز گفتگو کی خصوصیت بھی قائم رکھی اور یہ قادر الکلامی کی انتہا ہے -

۳، میر حسن صاحب غزل گوئی مین اگرچہ سودا اور میر درد کے شاگرد تھے، لیکن سودا کا پرتو اُن پر نہین پڑا صرف میر درد کا رنگ ہے، یعنی روزمرہ، صفائی، گھلاوٹ، اور وہی باتین میر انیس صاحب کے ان بھی ہین، جو لوگ کہتے ہین، کہ میر انیس صرف بین لکھنا جانتے ہین، اس جھوٹ مین سچ بھی ہے، یعنی بین رزم سے بہتر لکھتے ہین، یہ وہی خصوصیت ہے جو دادا سے ترکہ مین ملی ہے،-

۴، میر انیس کی شاعری کے متعلق یہ مسئلہ نہایت مہتم بالشان مسئلہ ہے کہ مرزا دبیر کی رقابت، اور مقابلہ نے اُن کے کلام پر کیا اثر پیدا کئے، اگر یہ پتہ لگ سکتا، کہ دونون حریفون مین سے، اول کس نے میدان شاعری مین قدم رکھا اور خاص خاص مرثیے، بلکہ خاص خاص بند جو دونون کے ہان قریب المعنی پائے جاتے ہین،

اول کس نے کہے، تو شاعری کی تاریخ کے بہت سے دقیق نکتے حل ہو جاتے، لیکن افسوس ہے کہ باوجود بہت سی جد و جہد کے اس بارہ مین مجھکو کچھ کامیابی نہین ہوئی -

دونون حریفون کے مرثیون کو دیکھو، تو صاف نظر آتا ہے، کہ ایک نے دوسرے کے کلام کو سامنے رکھکر لکھا ہے، لیکن زمانہ کے تقدیم و تاخیر کے نہ معلوم ہونے سے یہ نہین متعین ہوتا کہ ایجاد کا فخر کس کو ہے، اور کس نے کس سے کیا اثر لیا ہے، میر انیس جابجا فخریہ شعرون مین اس بات کا اشارہ کرتے ہین کہ اُن کے حریف اُنکے کلام سے فایدہ اُٹھاتے ہین، مثلاً، ع

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار	خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینون کو
نوا سنجیون نے تری اے انیس	ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا
ملتی نہین دزد ان معانی سے نجات	سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

ان چوٹون کو مرزا دبیر صاحب برابر کا جواب نہین دیتے، یعنی یہ نہین کہتے کہ مین نہین، میرا حریف سرقہ کرتا ہے، بلکہ صرف تبری کرتے ہین کہ مین اس جرم کا مرتکب نہین، چنانچہ فرماتے ہین ع

شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون
ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے	یعنی بری ہون سرقہ مضمون غیر سے

اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے، میر انیس، میرزا صاحب کے مقابلہ کا قصد نہین کرتے تھے، اور اُنکے مرثیون کا جواب لکھنا نہین چاہتے تھے ورنہ میرزا صاحب ضرور اسکا اشارہ کرتے، اسکے ساتھ جب بعض مرثیون سے صاف ثابت ہے، کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ پر لکھے گئے ہین، تو خواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ مقابلہ، اور ہم طرحی و مسابقت کی کوشش، میرزا صاحب ہی کی طرف سے ہوتی تھی، میر انیس نے اسی کی طرف ایک موقع پر اشارہ کیا ہے - چنانچہ کہتے ہین ع

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل	اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو

جن مرثیون یا اشعار یا مضامین مین تقابل یا توارد ہے انکی تفصیل آگے آئیگی، اور وہان اس تمہیدی بحث کو پیش نظر رکہنا چاہیئے۔

۵۔ میر انیس کا جو کلام موجود ہے ۵ جلدون مین شائع ہوا ہے، لیکن میر صاحب کے متوسلین کا خاص دعوی ہے، کہ ان مرثیون مین بہت کچھہ تحریف، اور غلط ہوا ہے۔ مولوی عبد الغفور نساخ نے ایک رسالہ مرزا دبیر اور میر انیس کے اغلاط کے متعلق لکھا تھا، اس کا جواب میرزا محمد رضا متخلص بہ معجز، شاگرد ناسخ نے لکھا جس کا نام تطہیر الاوساخ ہے، اور جو ۱۲۹۶ھ مین شعلہ طور کانپور مین چھپا تھا، اس کے دیباچہ مین میرزا رضا صاحب لکھتے ہین۔

"ثانیاً یہ بات بھی کالنار علی العلم ہے کہ اکثر تلامذہ میر صاحب و مرزا دبیر صاحب نے بہ لحاظ اپنے پڑہنے کے اکثر تصرفات بہ تغیر و تبدل الفاظ و مصرعہ و بند کے کیئے ہین، بہ نظر اختصار کسی مرثیہ کے کچھہ بند نکال ڈالے اور کہین درمیان مرثیہ مین کوئی مطلع یا بند ایجاد کر کے الحاق کیا تاکہ وہین سے پڑہنا شروع کرین کہین بغرض بکا وابکا، مضامین مبکیہ موزون کر کے شامل مرثیہ کیئے، کہین الفاظ مین موافق اپنے فہم و سلیقہ کے کمی و بیشی کی، یا مشتاقین نے جو مرثیہ جدید زبان سے ان صاحبون کی مجلس مین سنا خفیہ تحریر کیا، اور جو الفاظ یا مصرع بسبب عجلت تحریر یا عدم سماعت کے رہگیئے، اُس کی تکمیل بطور خود کی، اس باعث سے کہ نقل مرثیہ جدید و نو تصنیف کا دستیاب ہونا شاعرین سے غیر ممکن تھا، پس جو کچہہ کہ مرثیہ اُن کے تلامذہ کے پاس ہین، اُن مین اکثر کا اصل نہین ہین تغیر و تبدل و اضافہ و نقصان اُن مین بہت ہے، اور انہین مرثیون کی نقل وہ مرثیے ہین، جو مطبوع ہوئے ہین پس مراثی مطبوعہ من قبیل بناء الفاسد علی الفاسد ہین"۔

اس بنا پر میرزا رضا صاحب نے میر نفیس صاحب سے جو میر انیس کے فرزند رشید تھے مطبوعہ مرثیون کی تصحیح کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے۔

یہ مرثیہ ؏ اے تیغ زبان جوہر تقریر دکھادے، اس مصرعہ تک ' ملنے لگے آنکھین قدم سرور دین پر،

میر صاحب کا کلام ہے، باقی ۴۸ سے لیکر ۵۵ تک، اور مقطع کے دو اول مصرعے سب الحاقی ہین۔

یہ مرثیہ ع دشت وغا مین نور خدا کا ظہور ہے، ستر بند تک یعنی اس ٹیپ تک مصرع

چھاتی کے پار نیزہ کی نوکین نکل گئین، میر صاحب کا کلام ہے، باقی الحاقی ہے، یہ شعر

"وہ لپٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے	سینہ سے تو سرک تو مرے باباجان کے"

الحاقی ہے۔

میرزا رضا صاحب نے اور بہت سے اعتراضات کے جواب مین جو خاص خاص الفاظ یا تراکیب پر تھے اُن الفاظ اور تراکیب سے انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ اصل مرثیہ مین یون نہین، یون ہے۔ چونکہ اس قسم کے الفاظ نہایت کثرت سے تھے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین۔ ناظرین چاہین تو اصل رسالہ کو ملاحظہ فرمائین۔

ہم کو اس سے انکار نہین کہ مطبوعہ مرثیے نہایت غلط چھپے ہین، لیکن میرزا رضا صاحب نے تو یہ غضب کیا ہے کہ جہان کوئی لفظ محاورۂ حال کے خلاف نظر آیا، اس کے وجود سے انکار کر دیا، حالانکہ یہ تعمیم صحیح نہین۔ میر انیس نے بہتر برس کی عمر پائی، اُنکی ابتدائی مشق مین، قدیم محاورے اور غلط الفاظ نہایت کثرت سے متداول تھے، اور شعرا بے تکلف ان کو استعمال کرتے تھے، شیخ ناسخ نے البتہ اس قسم کے تمام الفاظ کو ترک کر دیا تھا، لیکن جو لوگ اپنے تئین، دلّی کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ ان الفاظ اور محاورات کو وطن کی یادگار سمجھتے تھے، چنانچہ غالب و ذوق جو خاتم الشعرا ہین ان کے ہان وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہین، جن کو شیخ ناسخ مدتون سے چھوڑ چکے تھے مثلاً میرزا غالب فرماتے ہین۔

ع کشاکش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھپہ عاشق ہین۔

حالانکہ اس قسم کی جمع، ایک مدت سے متروک ہے، اس قسم کے الفاظ میر انیس کے ہان بھی ہین، اور کثرت سے ہین، لیکن وہ ابتدائی مشق کے ہین، ورنہ شیخ ناسخ کے اثر، یا خود مذاق کے بدلنے سے، جس قدر زمانہ گذرتا گیا، میر صاحب، قدیم مخصوص الفاظ اور تراکیب چھوڑتے گئے۔

میر انیس کی شاعری کی خصوصیات

اب ہم تفصیل کے ساتھ میر صاحب کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہین -

فصاحت

فصاحت۔ علماے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ مین جو حروف آئین، اُن مین تنافر نہو، الفاظ
ما مانوس نہون، قواعد صرفی کے خلاف نہو،،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے، اور چونکہ آوازین بعض شیرین، ولاویز
ز لطیف ہوتی ہین مثلاً طوطے وبلبل کی آواز اور بعض مکروہ وناگوار مثلاً کوّے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر
لفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین بعض شستہ، سبک، شیرین اور بعض ثقیل بھدے، ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح
کہتے ہین، اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر
تقریر مین اُن کا استعمال نہین ہوا ہے یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کیے جاتے
ین تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، اُن کو فن بلاغت کی اصطلاح مین **غریب** کہتے ہین، اور اس قسم کے
فاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کیے جاتے ہین -

میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ انھون نے اُردو شعرا مین سے سب سے
یادہ الفاظ استعمال کیے اور سیکڑون مختلف واقعات، بیان کرنے کی وجہ سے، ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ اُنکو
ستعمال کرنے پڑے، تاہم ان کے تمام کلام مین غیر فصیح الفاظ نہایت کم پاے جاتے ہین - اکثر جگہ عربی، فارسی
لے الفاظ جو اُردو زبان مین کم مستعمل ہین، ضرورت سے لانے پڑے ہین لیکن اس قسم کے الفاظ جہان آے
ن، فارسی ترکیبون کے ساتھ آئے ہین جس سے ان کی غرابت کم ہوگئی ہے، ورنہ اگر اُردو کی خاص ترکیب
ن اُن الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلاف فصاحت ہوتا۔ مثلاً انگشتری، خاتم، رُخ، بادہ، ثنا، حسن، اور اس

قسم کے سیکڑون ہزارون الفاظ ہین، جو بجاے خود فصیح ہین لیکن ٹھیٹ اُردو مین ان کا استعمال نہین ہوتا - میر ضمیر
ایک موقع پر کہتے ہین ع ذرّیت رسول کی خاطر جلائی نار نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے،
لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اُردو مین مستعمل ہوتا ہے مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی -

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے، بعض الفاظ فصیح ہین، بعض فصیح تر، بعض اُس سے بھی فصیح تر،

میر انیس صاحب کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح سے فصیح الفاظ ڈہونڈہ کر لاتے ہین - میرزا دبیر
اور میر انیس کے ہم مضمون اشعار لو، اگر میرزا صاحب کے ہان غریب اور ثقیل الفاظ ہونگے تو اُنکے مقابلہ مین میر صاحب
کے ہان فصیح الفاظ ہونگے اور اگر میرزا صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے تو میر صاحب کے ہان فصیح تر ہونگے
میرزا دبیر کی تخصیص نہین، تمام مرثیہ گویون کے مقابلہ مین میر انیس کے کلام کا یہی حال ہے
ہم مثال کے طور پر دو چار شعر نقل کرتے ہین - جن سے فصاحت اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہوسکیگا

میرزا دبیر ع کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین
میر انیس ع سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین -
میرزا دبیر ع آنکھون مین بھرے اور نہ مردم کو خبر ہو
میر انیس ع آنکھون مین یون بھرے کہ مژہ کو خبر نہو
میرزا دبیر ع رویا مین بھی حسینؑ کو رویا ہی کرتے ہین
میر انیس ع حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجے
میرزا دبیر ع جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
میر انیس ع جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

ابتذال

فصاحت کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہین کہ لفظ سادہ، آسان،
کثیر الاستعمال ہو، اسلئے لوگ مبتذل اور سوقی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہین، حالانکہ ان دونون مین سفید و سیاہ کا فرق

ہے، میرزا دبیر صاحب جہاں واقعہ نگاری اور معاملہ بندی مین میر انیس کی تقلید کرتے ہین، اکثر اُن کے کلام مین مبتذل الفاظ آجاتے ہین -

مثلاً جہان حضرت شہر بانو نے حضرت عباس کی لاش پر نوحہ کیا ہے، شہر بانو کی زبان سے فرماتے ہین
ع ہے ہے میرے دیور میرے دیور میرے دیور * ایک اور جگہہ فرماتے ہین ع نازہ تو انکی سالگرہ کا نکال لاؤ

ابتذال کی صاف اور بین مثال، نظیر اکبر آبادی کا کلام ہے اگر یہ عیب نہوتا تو سادگی اور صفائی مین نظیر کا کلام میر انیس یا میر تقی سے ٹکر کھاتا -

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہین وہ مبتذل ہین - لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون الفاظ عوام کے مخصوص الفاظ ہین لیکن سب مین ابتذال نہین پایا جاتا، ابتذال کا معیار مذاق صحیح کے سوا اور کوئی چیز نہین، مذاق صحیح خود بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ مبتذل، پست اور سوقیانہ ہے -

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون اور ہر قسم کی جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ اُنکی انتہا درجہ کی قادر الکلامی ہے کہ پھر بھی اُن کی شاعری کے دامن پر ابتذال کا دھبہ نہین آنے پاتا -

کلام کی فصاحت یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی، لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھہ وہ ترکیب مین آئے اُن کی ساخت ہیئت، نشست، سبکی اور گرانی کے ساتھہ اُس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی - قرآن مجید مین ہے، ما کذب الفواد ما رای - فواد اور قلب دو ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجاے قلب کا لفظ آئے تو خود بھی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا، جس کی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجاے خود فصیح ہے لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین اُنکی آواز کا تناسب، قلب کے لفظ کے ساتھہ نہین ہے -

میر انیس کا مصرعہ ہے ع فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور - صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین،

میر انیس نے جابجا ان دونوں لفظوں کو استعمال کیا ہے اور ہم معنی ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجاے جنگل کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہوجاے گا میر صاحب کا ایک شعر ہے ؎

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین	جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

یہان جنگل کے بجاے صحرا لاؤ تو مصرعہ کا مصرعہ پھُس پھسا ہوجاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین۔ لیکن میر صاحب کے اس شعر مین ؎

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا	تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجاے شبنم کا لفظ لایا جاوے تو فصاحت خاک مین مل جائیگی، لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہے اس مصرعہ مین ع شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے۔

شبنم کے بجاے اوس لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہوجائیگی۔

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اسلیے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب دیا جاے، اُن آوازون سے اُسکو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سُرون کو ترکیب دینا ہوگا، نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سُرون کا نام ہے، ہر سُر بجاے خود دلکش اور دلاویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سُرون کو باہم ترکیب دیدیا جائے تو دونون مکروہ ہوجائین گے۔

راگ کے دلکش اور موثر ہونیکا گُر یہی ہے کہ جن سُرون سے اسکی ترکیب ہو اُن مین نہایت تناسب اور توازن ہو۔

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سُر ہین اس لئے اُن کی لطافت، شیرینی اور روانی، اُسی وقت تک قائم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی سُر مین اُنکے مناسب ہون۔

میرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرعہ ہے، ع زیر قدم والدہ فردوس برین ہے۔ اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی زیر۔ قدم۔ والدہ۔ فردوس۔ برین۔ سب بجاے خود فصیح ہین، لیکن اُنکے باہم ترکیب دینے سے، جو مصرعہ

پیدا ہوا ہے وہ اس قدر بھدّا اور گران ہے کہ زبان اسکا تحمل نہین کرسکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرع کی ترکیب چونکہ فارسی ہوگئی ہے، اس لئے ثقل پیدا ہو گیا ہے لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا۔ مثلاً میر انیس صاحب کہتے ہین ؎

مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکین	مین ہون سردار شبابِ چمنِ خلدِ برین

پہلے مصرعہ مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالی اضافات بھی موجود ہے، لیکن یہ بھدّا پن اور ثقل نہین ہے۔

[جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن اور توافق پایا جاتا ہے، اسکے ساتھ وہ تمام الفاظ بجاے خود بھی فصیح ہوتے ہین تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، اور یہی چیز ہے جسکو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلآویزی، برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہین] یہی چیز ہے جسکی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین ؎

صنعت گر است اما شعر روان ندارد	آن راکہ خوانی اُستاد گر بنگری بتحقیق

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہو جاتا ہے وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے۔ میر انیس حضرت علی اکبر کے اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین ع

تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین

اسی مضمون کو میر صاحب دوسرے موقع پر اس طرح ادا کرتے ہین ع

بلبل چہک رہا تھا ریاضِ رسولؐ مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین، لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون شعرون مین کس قدر فرق پیدا کر دیا ہے۔

میر انیس کا تمام کلام اس خوبی سے معمور ہے اور اُن کا ہر شعر اس وصف کا مصداق ہے، نمونہ کے طور

برہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین ع

تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون
قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
ذرے کی چمک مہر منور سے ملا دون
کانٹون کو نزاکت مین گل تر سے ملا دون

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندہون
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندہون

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسِ خوشخصال
غازی کو شیر حق کی طرح آگیا جلال
ولہٗ
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علی کا لال
اب یان سے ہمکو کوئی ہٹا دے، یہ کیا مجال

حملہ کرین چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسمان سمیت، اُلٹ دین زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر
تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدہر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور
پانی مین تھے نہنگ، اُبھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بھاگی تھین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علمدار نوجوان
تسلیم کو جُھکے ہوئے تھے فوج کے نشان
گوشہ امان کا ڈھونڈھ رہی تھی ہر اک کمان
ترکش بھی تھے ہراس سے مُنہ کو لئے ہوئے زبان

تیرون کا بگمان تھا ارادہ گریز کا
مُنہ کُند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

آگے چل کر کہتے ہین ع

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
بیعت اُنھین تو مسلم ہمین بھی نہین قبول

غازی پکارا اُو نجس و مرتد و جہول ٭ ہیہودہ مُنہ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ

سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گُدّی سے کھینچ لون گا زبانِ دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے تیرا وہ امیر شام ۔ کرتے ہین بادشاہ کہین بیعتِ غلام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام ۔ او بے ادب یزید کجا! اور کجا امام!!

دوزخ سے دور رہتے ہین ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہین آگے کنشت کے

ماتم ادہر تھا جشن مین تھے اہلِ شر اُدھر ۔ ولہ ۔ بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدہر
انعام بانٹتا تھا ہراک کو عمر اُدھر ۔ روتے تھے دیکھہ دیکھہ کے حضرت ادہر اُدہر

غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روے بھائی کو
کوئی جوان ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہین کوئی تو وغا کو خود آئیے ۔ حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھائیے ۔ گرمی بڑی ہے آج لہو مین نہائیے

آمادہ ہم تو دیر سے بھر ستیز ہین
تیغین بھی ہین اُبلی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

صابر بڑے ہین آپ تو یا شاہِ انس و جان ۔ اک بھائی کے فراق مین یہ نالہ و فغان
رونے سے جی اُٹھین گے نہ عباسؑ نوجوان ۔ حضرت پکارتے ہین کسے بھائی کہان

ملتا ہے کب جہان مین بھلا ہو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیے وہ شیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوے فوجِ شام — کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہات جوڑ کے اے قبلۂ انام — سنتے ہین آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام

خون اب تو جوش کہاتا ہے ہنگام جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

برچھا اِدہر شقی نے لیا دیکھ بھال کے — **ولہ** — اکبر اُدہر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے
روکے کسے جواب وے کہ ہر پہرے — **ولہ** — بجلی کے ساتھ ساتھ کہان تک سپر پہرے
سب نشۂ غرورِ جوانی اُتر گیا — **ولہ** — تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا۔

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا۔ ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے، مثلاً فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، متعلقاتِ فعل، جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین وہی ترتیب شعر مین بھی قائم رہے۔ اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ شعر مین اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے صرف ایک آدہ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہو جاتی ہے مثلاً سعدی کے یہ اشعار ؎

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم ٭
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اسکو، نثر کرنا چاہین تو ہو سکے اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہیے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تو بہر حال اُس کے قریب قریب پہونچ جاے جس قدر اس کا لحاظ رکھا جایگا، اُسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، روان، اور ڈہلا ہوا ہوگا اور اُردو مین جہانتک

ہم کو معلوم ہے یہ صفت میر انیس صاحب سے زیادہ کسی کلام مین نہین پائی جاتی، نمونہ کے طور پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

صُغرؔی حضرت امام علیہ السلام سے کہتی ہین، ؎

قربان گئی، اب تو بہت کم ہے نقاہت — تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت
بستر سے مین خود اُٹھکے ٹہلتی بھی ہون حضرت — پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحّت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزہ تلخ نہین ہے

ولہ

صغرؔی نے کہا آپکی باتون کے مین قربان — تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آسان — جیتی رہی صغرؔی تو نہ بھولے گی یہ احسان

کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
امّان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

حضرت زینبؔ، حضرت عباسؑ سے فرماتی ہین ؎

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو — بھیّا، تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

حضرت امام علیہ السلام، یزیدیون سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین ؎

مجھکو لڑنا نہین منظور یہ کیا کرتے ہو — تیر جوڑے ہین جو تمنے تو خطا کرتے ہو
کیون نبی زادے پہ غربت مین جفا کرتے ہو — دیکھو اچھا نہین یہ ظلم بُرا کرتے ہو

شمع ایمان ہون اگر سر میرا کٹ جائیگا
یہ مرقع ابھی اک دم مین اُلٹ جائے گا

خولی امام علیہ السلام کی فوج کی حالت، ابن سعد سے بیان کر رہا ہے ؎

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکر کثیر
ہین اِن ہین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر

کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام دارو گیر

کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھون کی طاقت دکھائینگے
ان سے تو تیغ بھی نہ سنبھالے سنبھالے جائینگے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہ کربلا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا

مقتل مین کھینچ کر انھین لے آئی ہے قضا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑین گے کیا

کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین
ان کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

اس قسم کے اور ہزارون اشعار ہین، آگے مختلف موقعون پر جو اشعار نقل کئے جائینگے اُن ہین اور دوسری خوبیون کے ساتھ یہ خصوصیت بھی اکثر نظر آئیگی۔

روزمرہ

روزمرّہ اور محاورہ جو الفاظ اور جو خاص ترکیبین اہل زبان کے بول چال مین زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہین، اُن کو روزمرّہ کہتے ہین، روزمرّہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فردِ خاص ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عام بول چال مین وہی الفاظ زبان پر آئین گے جو سادہ صاف، اور سہل الادا ہون، اور اگر اُن مین کچھ ثقل اور گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھکر صاف ہوجاتے ہین۔ ابوالعلا معرّی جو ایک ملحد شاعر تھا اُسنے قرآن مجید کا جواب لکھا تھا۔ لوگون نے اس سے کہا کہ گو یہ کلام بلیغ ہے لیکن اس مین قرآن مجید کی سی روانی اور صفائی نہین پائی جاتی، اُس ملعون نے کہا ہان ابھی تو نہین، لیکن جب دو چار سو برس نمازون مین منجکر صاف ہوجائیگا تو روانی آجائیگی۔

غرض، روزمرّہ کے لئے فصیح ہونا لازم ہے۔ میر انیس کے کلام مین نہایت کثرت سے روزمرّہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے، اور اس پر اُن کو ناز بھی تھا چنانچہ فرماتے ہین ؎

مرغان خوش الحان چمن بولین کیا
مرجاتے ہین سُنکے روزمرہ میرا

چونکہ میر انیس کا کوئی کلام روزمرہ سے خالی نہین ہوتا، اس لئے ہم نمونہ کے طور پر صرف دوچار مثالین نقل کرتے ہین ؎

حشر تک خلق مین یہ ذکر غم انگیز رہا ۔۔۔ تو تو بچپن کے غلامون سے بھی کچھ تیز رہا

تعریف کرین ڈر کے تو خورسند نہ ہونا ۔۔۔ اعدا سے کسی بات مین تم بند نہ ہونا

زینب نے کہا جسمین رضا شہ عالی ۔۔۔ مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے گئے فرزند پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو میرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

زندہ نہ محمد ہے نہ اب عون ہے بیٹا ۔۔۔ تم بھی جو نہ پوچھو تو میرا کون ہے بیٹا

ولہ

خادم جدا نہ تھا شہ گردون سریر سے ۔۔۔ کس جرم پر حضور خفا ہین حقیر سے

ولہ

کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا؟ ۔۔۔ بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

ولہ

کہتے تھے راہ مین نہ کہو اراپنا چل گیا ۔۔۔ افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال

حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کیے جائین۔

لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین۔ مہیب۔ پررعب۔ سخت، نرم، شیرین، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین بعض نرم، شیرین اور لطیف ہوتے ہین بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے، بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے اسی بنا پر غزل مین سادہ، شیرین، سہل اور لطیف الفاظ استعمال کیے جاتے ہین، قصیدہ مین زوردار شاندار الفاظ کا استعمال

پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح رزم، بزم، مدح و ذم، فخر، وادعا، وعظ و پند، ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین جو
شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین اور یہ اُنکے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے
لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہین یا ہین لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے
مضامین مین ایک ہی قسم کے الفاظ اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہین، اُن کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے
بالکل بے اثر ہوتا ہے - یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم، اور فردوسی سے بزم نہین نبہ سکتی -

میر انیس صاحب نے رزم، بزم، فخر، ہجو، نوحہ، سب کچھ لکھا ہے لیکن جہان جس قسم کا موقع ہوتا ہے
اُسی قسم کے الفاظ اُنکے قلم سے نکلتے ہین رزمیہ فخر لکھتے ہین تو فرماتے ہین ؎

طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآب کی ‌ رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

جلال اور غیظ کو اِن الفاظ مین ادا کرتے ہین ؎

کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے ‌ نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے
کیا جانے کس نے روکدیا ہے دلیر کو ‌ سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو
تھا یہ بھرا ہوا عباس میرا شیر جوان ‌ سینہ پہ حُر کے رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو ‌ روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

دیکھو! ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین، جس طرح، اُنکے مفہوم مین غیظ و غضب ہے، اُسی طرح، الفاظ کی صوت
و لہجہ سے بھی، ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے -

بحرون کا انتخاب اور حسن قافیہ و ردیف

شعر کی دلاویزی اور دلفریبی کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ ہر مضمون کی مناسب بحرین اختیار کی جائین
فردوسی کی اسی غلطی نے اسکے یوسف زلیخا کو مقبول عام ہونے سے محروم رکھا،

شاہ نامہ کی بحر رزم کے لئے مخصوص ہے، فردوسی نے عشقیہ واقعات بھی اسی بحر مین ادا کرنے چاہے
اور اسوجہ سے ناکام رہا - میر انیس سے پہلے، مرثیے، اکثر بڑی بڑی بحرون مین لکھے جاتے تھے، مثلاً ع

جب مشک بھر کے نہر سے عباس غازی گھر چلے،

ع آپ تو جیتے رہے، بابا کا سر کٹوا دیا،

یا نہایت چھوٹی بحروں مین

ع یہ کس مونھ سے کہئے کہ وہ تشنہ لب ہے،

[میر صاحب نے تین چار بحرین خاص کرلین جن مین چند خصوصیتین پائی جاتی تھین،

۱- رزم و بزم، دونون کے لئے موزون تھین، مثلاً یہ بحر، حشر برپا تھا کہ تیغ حُرِ ذیجاہ چلی-

۲- فقرون کی ترکیب اُن مین خواہ مخواہ چست ہو جاتی ہے مثلاً یہ بحر،

ع قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون،

۳- کانون کو خوش معلوم ہوتی ہین-]

قدیم مرثیون مین ردیف کا بہت کم التزام ہوتا تھا قافیہ ہی قافیے ہوتے تھے، میر صاحب نے ردیف کا گویا التزام کر لیا- آج کل جو لوگ انگریزی شاعری کی کورانہ تقلید کرتے ہین وہ تو سرے سے قافیہ ہی کو بیکار کہتے ہین ردیف کا کیا ذکر ہے، شاید انگریزی زبان کی ساخت اسی قسم کی ہو جیسا کہ عربی مین ردیف نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے، لیکن فارسی اور اُردو مین تو ردیف تال اور سُم کا کام دیتی ہے، جس طرح راگ مین تال نہو تو بدمزا ہے، یہی حالت، اُردو شعر کی ہے البتہ ردیف کے التزام کے لیے بہت بڑا قادر الکلام ہونا ضروری ہے، ورنہ ردیف کے التزام کے ساتھ آمد اور بے ساختگی قایم نہین رہتی، لیکن اگر یہ خوبی ہات سے نہ جانے پائے تو ردیف، سے شعر چمک جاتا ہے، ان دونون شعرون پر غور کرو،

ساقیا عید ہے، لا بادہ سے مینا بھر کے		کہ مے آشام پیاسے ہین مہینہ بھر کے	
چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محرم	ولہ	ایسی نیت پہ، بہشت آپ کو، و اعظا معلوم	

دونون شعر اپنی اپنی حیثیت سے لاجواب ہین، لیکن پہلے شعر کو ردیف نے کسقدر چمکا دیا ہے- بعض

جگہ ردیف کی تکرار نہایت لطف پیدا کر دیتی ہے، میر صاحب کے ہان اسکی مثالین بھی کثرت سے ملتی ہین ۔ حسن قافیہ و ردیف، و تکرار کی یکجائی چند مثالین، ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین ۔ ۵

کہین صفین صاف مگر مُنہ کی صفائی نہ گئی	ولہ	سیکڑون خون کیے اور کہین آئی نہ گئی
شیطان عمر سعد کی گردن پہ چڑھا ہے	ولہ	بھاگو پسرِ شیرِ خدا رن پہ چڑھا ہے
رُکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہات	ولہ	دو ہو گئے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہات
ہلچل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ	ولہ	اُس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
ڈھالون سے پھول لیگئی پھولون سے زر لیا	ولہ	اپنا خراج تیغ نے ان سب سے بھر لیا
سب تھک گئے مگر نہ تھکے تیغ زن کے ہاتھ	ولہ	وہ معرکہ رہا اسی گلپیرہن کے ہاتھ
ظالم شکار بن گیا کیھان خدیو کا	ولہ	کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
ماتم ادہر تہا جشن مین تھے اہل شر اُدھر انعام بانٹتا تہا ہر اک کو عمر اُدھر	ولہ	بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدہر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادہر اُدہر
پہچانتے تھے خوب پیمبر مرے جوہر کھولے ہین ید اللہ نے اکثر مرے جوہر	ولہ	مخفی نہین جبریل امین پر مرے جوہر کرار نے دیکھے ہین مکرر مرے جوہر
کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے	ولہ	تشنہ تھی کیا تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے	ولہ	پہلے انہین کو مار لیا رول رول کے ہتیار سب نے پھینکدیے کھول کھول کے
شہ کے غضب سے مانگتی تھی ہر کمان امان دیتے نہ تھے کسیکو امام زمان امان	ولہ	مضطر زمین تھی، مانگتا تھا آسمان امان ہر صف مین تھا یہ شور کہ مولا، امان امان

تلوار کی زبان سے -

تنسیق الصفات جب کسی موقع پر چند الفاظ ایک وزن یا ایک قسم کے پے در پے آتے ہین تو ایک خاص لطف پیدا ہوتا ہے، میر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین ؎

دوزخ کی زبانون سے بھی آنچ اسکی بُری تھی		برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھُری تھی
موجود بھی ہر غول مین اور سب سے جدا بھی اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی	ولہ	دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کوفہ مین یہی معرکہ دن بھر نظر آیا	ولہ	شمر آیا سنان آیا حُر آیا عمر آیا
سمٹا جما اُڑا ادھر آیا اُدھر گیا	ولہ	چمکا بھرا جبال دکھایا ٹھہر گیا
چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ چم خم کا جدا رنگ تھا کس بل کا جدا رنگ	ولہ	ہر ہات مین دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ لب سرخ - دہن صاف، بدن گول ہرا رنگ

بلاغت

انیس و دبیر کے موازنہ مین یہ فقرہ ضرب المثل ہوگیا ہے کہ میر صاحب مین **فصاحت** زیادہ ہے اور مرزا صاحب مین **بلاغت**، لیکن یہ فقرہ جس قدر زیادہ مشہور ہے اُسی قدر بلکہ اُس سے زیادہ غلط اور بے معنی ہے، بلاغت کی جو تعریف تمام کتابون مین مذکور ہے اور جس سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہین، اُسکی رو سے، بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ کلام فصیح ہو، اسلئے فصاحت و بلاغت کو باہم حریف قرار دینا اجتماع النقیضین ہے، اگر مرزا صاحب مین بلاغت زیادہ ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ فصاحت بھی زیادہ ہے، کیونکہ کلام اُس وقت تک بلیغ نہین ہوسکتا جب تک اسکے تمام الفاظ، مفردات و مرکبات فصیح نہون، اگر فصاحت مین کسی قسم کی کمی ہوگی تو بلاغت مین بھی کمی ہوگی، اسلئے کسی کلام کی نسبت یہ کہنا کہ اسمین بلاغت زیادہ ہے اور فصاحت کم گویا یہ کہنا ہے کہ فصاحت زیادہ بھی ہے اور کم بھی،

بلاغت کی تعریف علماے معانی نے یہ کی ہے کہ کلام اقتضاے حال کے موافق ہو، اور فصیح ہو،
مقتضاے حال کے موافق ہونا، ایسا جامع لفظ ہے جس مین بلاغت کے تمام انواع و اسالیب آجاتے ہین،
لیکن افسوس ہے کہ کتب معانی مثلاً مطول، ایضاح، وغیرہ مین بلاغت کی جو تشریح کی ہے اور اسکے جس قدر
انواع و اقسام قرار دیے ہین، وہ نہایت جزئی اور معمولی باتین ہین، ان تصریحات کی رو سے بلاغت اس کا نام
ہے، کہ مبتدا اور خبر کہان مقدم لائے جائین اور کہان مؤخر؟ کہان معرفہ ہون کہان نکرہ؟ کہان مذکور ہون،
کہان محذوف؟ اسناد کہان حقیقی ہو، کہان مجازی؟ جملہ کہان خبریہ ہو، کہان انشائیہ؟ دو فقرون مین کہان
وصل ہو کہان فصل؟ کلام مین کس موقع پر اطناب کیا جاے کس موقع پر اختصار؟ - گویا **بلاغت** کا صرف اسقدر
فرض ہے کہ جب تم کسی مطلب کو کسی خاص جملہ مین ادا کرنا چاہو تو وہ یہ بتادے کہ جملہ کے اجزا کیا ہونے چاہئین
اور اُن اجزا کی ترکیب کیا ہونی چاہیے، لیکن اگر عام طور پر یہ پوچھا جاے کہ کس قسم کے مضامین کو کیونکر ادا کرنا چاہیے
مثلاً مدح - ذم - فخر - ہجا - تہنیت - تعریض - شوق - محبت، ان مضامین سے ہرایک کے ادا کرنے کے کیا کیا
خاص پیراے ہین؟ ہر مضمون کا خاکہ کیونکر قائم کرنا چاہیے؟ کس قسم کے خیالات کس خاص مضمون کے ساتھ
تعلق رکھتے ہین؟ تو موجودہ فن بلاغت اس کے متعلق کچھ رہبری نہین کرسکتا، حالانکہ بلاغت کا اصلی تعلق مضامین
ہی سے ہے نہ الفاظ سے مثلاً یہ امر کہ ایک واعظ کو کسی بات کے ثابت کرنے کے لئے کس قسم کے مقدمات
سے کام لینا چاہیے؟ اور اسی بات کو اگر ایک حکیم ثابت کرنا چاہے تو اُسکے استدلال کا کیا طرز ہوگا؟ اس مین الفاظ کی
حیثیت سے بحث نہین ہوتی بلکہ صرف نوعیتِ استدلال کا لحاظ ہوتا ہے، یعنی اگر ایک حکیم کے استدلال مین،
واعظانہ مقدمات پاے جائین تو کہا جائیگا کہ خلافِ بلاغت ہے، کیونکہ بلاغت کے معنی مقتضاے حال کے
موافق کلام کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک حکیم کو واعظانہ مقدمات سے استدلال کرنا، اسکے رتبہ کے خلاف ہے -
اس سے ظاہر ہوا کہ بلاغت کو الفاظ سے چندان تعلق نہین، محض مضامین کو بھی بلیغ یا غیر بلیغ کہا جاسکتا ہے، بلاغتِ
الفاظ درحقیقت بلاغت کا ابتدائی درجہ ہے، اصلی اور اعلیٰ درجہ کی بلاغت، معانی کی بلاغت ہے -

میر انیس صاحب کے کلام مین بلاغت الفاظ بھی اگرچہ انتہا درجہ کی ہے، لیکن یہ اُنکے کمال کا اصلی معیار نہین، اُنکے کمال کا اصلی جوہر معانی کی بلاغت مین کھلتا ہے۔

کربلا کے واقعات، جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویون کا موضوع شاعری ہے، جہان تک تاریخ وروایت سے ثابت ہین نہایت مختصر ہین، لیکن مرثیہ گویون نے اُن مین نہایت وسعت پیدا کی ہے۔ بعض جگہہ محض ایک اجمالی واقعہ مذکور تھا، اُسکو اسقدر وسعت دی کہ واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر دیے۔ بعض جگہہ روایت مین اُس واقعہ کا نام و نشان بھی نہ تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وقت اور حالت کے اقتضا سے اُس واقعہ کا پیش آنا ضرور تھا، واقعہ کو فرض کرلیا ہے، اور پھر اُسکو اسطرح پھیلا کر لکھا ہے کہ گویا پورا واقعہ مِنْ وعَنْ روایتون مین مذکور تھا مثلاً یہ واقعہ کہ جب حضرت عباس کو علم ملا تو عون و محمد کو رنج ہوا کہ یہ ہمارا حق تھا! وہ اپنی ماں حضرت زینب کے پاس شکایت لیکر گئے، اُنھون نے سمجھایا کہ امام علیہ السلام نے جو کچھ کیا بجا کیا" یہ واقعہ نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ کتب تاریخ مین سرے سے اسکا ذکر نہین، یا مثلاً حضرت علی اکبر کی تیاری جنگ کے وقت، حضرت زینبؑ کا آزردہ ہونا اور جانے سے روکنا، یا مثلاً حضرت شہر بانو کا حضرت علی اکبر سے اس بات پر ناراض ہونا کہ امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑ کر کیون چلے آئے ان تمام واقعات کا تاریخ مین پتہ نہین، اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے مین، **بلاغت** کا پہلا فرض یہ ہے کہ جو واقعہ فرض کیا جائے وہ ایسا ہو کہ وقت اور حالت کے لحاظ سے، اُس کا واقعہ ہونا یقینی ہونے کے برابر ہو، اسکے ساتھ واقعہ کے جزئیات اور کیفیات جو بیان کیے جائین وہ بالکل مقتضاے حال کے موافق ہون، اور اس طرح بیان کیے جائین کہ واقعہ کی صورت آنکھون مین پھر جاے،

اس نکتہ کی حقیقت، ایک مثال سے زیادہ تر واضح ہوگی، مرزا دبیر صاحب نے ایک مرثیہ مین یہ واقعہ باندھا ہے کہ جب حضرت علی اکبر جوان ہوئے تو جا بجا اُنکے حسن و جمال کا شہرہ ہوا یہان تک کہ بادشاہانِ وقت نے اپنے ملک سے مصوّر بھیجے کہ اُن کی تصویر کھینچ کر لائین، حلب کا بادشاہ سب سے

زیادہ مشتاق ہوا اور جب تصویر اُس کے پاس پہونچی تو اُسنے فوراً اپنی بیٹی سے حضرت علی اکبر کی نسبت ٹھہرائی، اور حضرت امام حسینؑ کے پاس پیغام بھیجا، امام ممدوح نے اپنی بے اطمینانی کی حالت بیان کی اور اخیر مین لکھا ؎

اکبر کا بیاہ خالقِ اکبر کے ہات ہے		بابا کے ہات ہے نہ یہ مادر کے ہات ہے

لیکن بادشاہ حلب نے باوجود اسکے نسبت ٹھہراہی دی، اور شادی کے تمام سامان مہیا کرنے شروع کردیئے اُدھر کربلا کا واقعہ پیش آیا- جب بادشاہ کو خبر پہونچی تو وہ مع اپنے خاندان کے کربلا پہونچا، بادشاہ کی لڑکی نے جو حضرت علی اکبر سے منسوب تھی اس طرح نوحہ کیا ؎

آئی ہون گھر سے بال پریشان کئے ہوئے
دولہ اُٹھو، کھڑی ہے دلہن سر لئے ہوئے

دولھا! تمھاری بیوطنی پر نثار مین		دولھا! تمھاری بے کفنی پر نثار مین
دولھا! تمھاری خستہ تنی پر نثار مین		دولھا! تمھاری کم سخنی پر نثار مین

مُردے کا ذکر کرتے ہین سب شور وشین سے
ہے ہے بیان تمھارے کرون کیا مین بین سے

خُوبو سے مطلع نہین مین سوختہ جگر		ہے ہے مین اپنے گھر سے نہ آئی تمھارے گھر
نتہ چوڑیان سے پٹنے نہ پائی، مین نوحہ گر		جو آج ٹھنڈی کرتی مین صاحب کی لاش پر

حسرت ہی عقد کی رہی لونڈی کے باپ کو
ہے ہے بندھا نہ سہرا جو بخشون مین آپ کو

دولھا! مین ننگے سر ہون مجھے تم ردا اُڑھاؤ		دولھا! کہان مین ڈھونڈھون ٹھکانا مجھے بتاؤ
دولھا! مجھے بھی فاطمہؑ کے پاس لیتے جاؤ		دولھا برابر اپنے میری قبر بھی بناؤ

دولھا مقامِ شرم ہے در در نہ پھرنے دو
پردہ دلھن کا رکھو کھُلے سر نہ پھرنے دو

مرزا صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرضی عروس کی زبانی ایک بڑا نوحہ الگ لکھ کر مرثیہ کے ساتھ بطور ضمیمہ کے شامل کیا ہے جسکا مطلع یہ ہے، ؎

کس عادل و منصف کی ہین دون رو کے دو ہائی	ہے ہے میرے نوشاہ
سُنتی ہے دُلھن تشکل رنڈاپے نے دکھائی	ہے ہے میرے نوشاہ

یہ تمام قصہ، بالکل بلاغت اور مقتضاے حال کے خلاف ہے، تمام باتون سے قطع نظر کرکے، ایک کنواری لڑکی کا بین اور نوحہ کرنا جو خود کہتی ہے کہ مین آپ کے عقد مین نہین آئی، اور پھر دولھا دولھا پکارتی جاتی ہی کسقدر بےمعنی اور لغو ہے،

میر انیس نے سیکڑون ہزارون مرثیے لکھے ہین، اور ہر مرثیہ بجاے خود ایک قصہ یا حکایت ہے، لیکن کوئی واقعہ ایسا نہین لکھا جو اقتضاے حال کے خلاف ہو، عون و محمد کی روایت کا سرے سے کہین پتہ نہ تھا، لیکن جب میر انیس نے اس کو مرثیہ مین لکھا تو تمام لوگون کو اس کی واقعیت کا دھوکا ہوا یہان تک کہ اب وہ بطور ایک واقعہ مسلّمہ کے تمام مرثیہ گویون کے ہان مختلف پیرایون مین بیان کیا جاتا ہے، اسی طرح میر انیس نے جس قدر واقعات لکھے ہین باوجود رقت انگیز اور موثر ہونیکے، واقعیت کے قالب مین اسقدر ڈھلے ہوئے ہین کہ کہین سے اُن پر حرف گیری نہین ہو سکتی۔

مرثیون مین جو مضامین، قدر مشترک کے طور پر ہین وہ یہ ہین، آمادگی سفر۔ راہ کی تکلیفات اور صعوبتین، قیام گاہ کا انتظام، دشمنون کی روک ٹوک، معرکہ کی طیاریان، رزم آرائی، رجز۔ حریفون کا قتال وجدال، دشمنون کی فتح، اہل حرم کی بیکسی اور بیچارگی، شام کا سفر۔ قید خانہ، دربار کی حاضری۔

ان مین سے ہر عنوان کے ادا کرنے کے لئے **بلاغت** کے خاص خاص طریقے ہین، مثلاً

سفر کی طیاری کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ سفر کے وقت، جو جو واقعات، اور حالات پیش آتے ہین، ان کی تصویر کھچی جائے، سفر کی آمادگی، سواریون کی تقسیم، زادسفر کا انتظام، محلون اور کجاؤن کی طیاری، مستورات کے پردہ کا انتظام، دوست اور احباب کے وداعی جذبات، بھائی بھنون اور عزیزون کی گریہ وزاری، دلدہی اور صبر کے کلمات، یہ تمام باتین تفصیل سے بیان کی جائین اور اس طرح کی جائین کہ آنکھون کے سامنے بعینہ سفر کا نقشہ پھر جائے میر انیس نے جہان جہان سفر کا بیان کیا، ان نکتون کو ملحوظ رکھا ہے

دو حریفون کی باہمی معرکہ آرائی کو اسطرح بیان کرنا چاہیئے کہ پہلے دونون کے سراپا، ڈیل ڈول، اور اسلحہ جنگ سجنے کا نقشہ دکھایا جائے، پھر بتایا جائے کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، حریف نے حریف پر کیونکر حملہ کیا، کسطرح وار بچایا، تلوار کے کیا کیا ہات دکھائے، بند کیونکر باندھے، وغیرہ وغیرہ میر انیس کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، بخلاف اسکے مرزا دبیر صاحب آسمان و زمین کے قلابے ملا دیتے ہین، لیکن یہ پتہ نہین لگتا کہ دونون حریفون مین سے کسی نے دوسرے پر وار بھی کیا تھا یا نہین،

غرض ہر واقعہ، اور ہر معاملہ کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ اسکی تمام خصوصیات، اسطرح دکھائی جائین کہ دلون پر وہی اثر طاری ہو جو خود واقعہ کے پیش آنے سے پڑتا، میر انیس کے کلام مین عموماً یہ وصف پایا جاتا ہے ہم نے اس موقع پر مثالین، اسلئے قلم انداز کین کہ آگے چلکر، واقعہ نگاری، اور اظہار جذبات وغیرہ کے عنوانون مین جو مثالین آئین گی وہی بلاغت کے لئے بھی کافی ہونگی،

بلاغت کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ واقعات کے بیان مین جس درجہ و رتبہ، اور جس سن و سال کے لوگون کا ذکر آئے، اُسی قسم کے طرز خیال، اور طریق ادا کو ملحوظ رکھا جائے، بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، کنواری، بیوہ، آقا، غلام، نوکر چاکر، غرض جسکی زبان سے جو خیال ظاہر کیا جائے اُسکی زبان اور طرز خیال کی تمام خصوصیتون کو قائم رکھا جائے، میر انیس نے تمام مرثیون مین یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے، مثلاً حضرت امام حسین ؑ کے سفر کے وقت، محلہ کی بی بیان حضرت زینب ؑ کو سفر سے روکتی ہین ؎

ہمسایون کی ہمدردی اور اظہار افسوس کا کیا طریقہ ہے

سب کہتے ہین زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا — کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا؟
پانی کی کمی، گرمی کے دن، خوف کا رستہ — وہ دھوپ پہاڑون کی، وہ لون اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل مین شبیرؑ چلے ہین
بچون پہ کرو رحم، کہ نازون کے پلے ہین

ہے ہے، چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے — کچھ تم کو پہاڑون کی بھی گرمی کی خبر ہے؟
غربت مین جوانون کے تلف ہونیکا ڈر ہے — رحم اس پہ ہے لازم، کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغر کو جدا دکھ ہو، قلق مان کو سوا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو؟

ایک اور موقع پر اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

عورتین کیونکر صلاح دیتی ہین۔

لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر — اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر — مسلم کا خط آئے تو کرین کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ اپنی چھوٹی صاحبزادی صغریٰ کو سفر مین لیجانے سے انکار کرتے ہین تو وہ حضرت زینبؑ سے سفارش کراتی ہین ؎

بچون کے اداے مدعا کا طرز

صغرا نے کہا آپکی باتون کے مین قربان — تم جان بچالو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی، میری مشکل کرو آسان — جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
امان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

دوسروں کی محبت کا عنصر۔

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جاسینگی ہمراہ — کیا اُنس ہے کہ مین گور کنارے بھی تو ہون آہ
بابا کو نہ امان کو نہ بہنون کو میری چاہ — سب جیتے رہین خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
مین قبر مین جب ہون گی تو سب یاد کرینگے

خاص عزیزوں کی شکایت۔

عاشق میرے مشہور ہین بھیا کے مین واری — دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سُنین گریہ و زاری — مین کون ہون سکینہ ہے چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گرکوئی غمخوار نہین ہے
مٹی میری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

یا مثلاً حضرت علی اصغر کے پیاس سے جان بلب ہونے کے وقت، ان کی مان کی حالت اسطرح بیان کی ہے ؎

چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالون کو مادر — دولت میری لٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے لخت دل ساقیِ کوثر — آنکھیں بھی جھپکتے نہین اب تو علی اصغر

کیا ہو گیا؟ اس صاحب اقبال کو میرے
ہے ہے لئے جاتی ہے اجل لال کو میرے

یا مثلاً حضرت امام حسین کی رخصت کے وقت، شہربانو فرماتی ہین ؎

کچھ حق مین اس کنیز کے فرمائیے جانے — صاحب! کسی جا مجھے ٹھہرا کے جائیے

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ کربلا مین پہونچے اور وہان اُترنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زینبؑ اس مقام کی وحشت اور ویرانی سے گھبرا کر فرماتی ہین ؎

کیون چلتے چلتے آپ نے یان روک لی لگام — بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام

بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پُرخطر مین اُترنا تو قہر ہے

جنگل مین ہے بشر کیلیے سو طرح کا ڈر
دن کٹ گیا تو ہوئیگی شب کسطرح بسر

اُٹھتے ہین بار بار بگولے اِدھر اُدھر
لشکر مین غل رہے گا دن دن کا رات بھر

عورتون کی ضعیف القلبی

بچے بھی مارے ہول کے تر ہین پسینے مین
میرا تو دل ابھی سے اُچھلتا ہے سینے مین

اسی واقعہ کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

بھائی سے اس زمین کی سنی ہے بہت صفت
جو جو مُحسن ہین، ان سے بھی لازم ہی مشورت

ہے وہ امام واقفِ اسرار شش جہت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مصلحت

ساحل پہ دشمنون مین کسیکا عمل نہ ہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

یا مثلاً جب امام حسین ؑ نے حضرت عباس ؑ کو علم دیا ہے تو حضرت زینب ؑ عباس کو مبارکباد دیتے ہوے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئینگے جب سرور اُمم
ہاتون کو جوڑتی ہے یہ بھینا، اسیر غم

تب دون گی تمکو تہنیت عہدۂ علم
کیجو صلاح صلح اگہ نشکر ادہر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرؑا کی جائی کو
بھیّا تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

اسی موقع پر سکینہ مبارکباد کو آتی ہین، تو ان کے صغر سن کے لحاظ سے ان کی مبارکباد دینے کو کس پیرایہ مین ادا کیا ہے ؎

اتنے مین پاس آ کے سکینہ نے یہ کہا
عہدہ علم کا، تم کو مبارک ہو اے چچا!

ہمیرہ کی لون بلائین، مین صدقے جھکو ذرا
مین نے دعائین کی ہین کہو مجکو دو گے کیا

میدان کارِ زار کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے

"جھکو ذرا"، کی بلاغت پر لحاظ کرو، اور دعا کے صلہ مانگنے کو دیکھو۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہین۔

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے میرے چچا
بابا سے کہہ دو، اب کہین خیمہ کرین بپا

محمل مین گھٹ گئی ہے مجھے گود مین لو ذرا
ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو، تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو مری حالت خراب ہے

بچون کی بول چال سے قطع نظر، یہ دیکھو کہ بچون کی فطرت کو کس نکتہ سنجی سے ظاہر کیا ہے، بچون کی مدعا طلبی کا بڑا آلہ طعن اور تعریض ہے، اس کو کس خوبی سے ادا کیا ہے، ع تم تو ہوا مین ہو، مری حالت خراب ہے
ایک اور موقع پر، جب حضرت عباسؑ لڑنے کیلئے چلے ہین، اور سب لوگ تن بہ تقدیر اُن کو رخصت کر چکے ہین، تو حضرت سکینہ کو خبر ہوئی ہے، وہ گھبرا کر روکنے کیلئے آئی ہین، اور بچپن کے ناز سے کہتی ہین۔

خیمہ مین ہوا غل کہ چلے حضرت عباس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب بصد یاس

سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
کیا کہتے ہو تم، مجکو تو جانے دو چچا پاس

منہ مجھ سے وہ موڑینگے نہ مانون گی کبھی مین
عمو مجھے چھوڑینگے نہ مانون گی کبھی مین

عباسؑ پکارے مین اس آواز کے قربان
ہم جاتے ہین پانی کے لئے آؤ مری جان

دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان
مین گھر سے تجھین جانے نہ دونگی کسی عنوان
بابا کا میرے کوئی مددگار نہین ہے
صدقے گئی، پانی مجھے درکار نہین ہے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ کے شہید ہونے کی خبر آئی ہے، اور لوگ بدحواس ہو رہے ہین حضرت عباس کی زوجہ نے یہ خبر نہین سنی ہے لیکن قرینون سے انکو شبہہ ہوتا ہے، اُن کے بدحواسانہ استفسار کو یون ادا کیا ہے ؎

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ
کیا کہتے ہین شاہِ شہدا؟ کس سے ہوئی یاس
کیون بی بیو! بچے میرے کیا ہو گئے بے آس
اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب میرا منہ دیکھ کے کیون روتے ہو لوگو

اس مصرعہ مین ع اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس، کس قدر ایثار نفس کا خیال ظاہر کیا ہے یعنی اپنے شوہر کے مرنے کا غم اپنی مصیبت کے لحاظ سے نہین بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ سکینہ کے لئے پانی نہ لا سکے اور اُن کی پیاس نہ بجھا سکے۔

یا مثلاً جب حضرت علی اکبر نے مان سے اجازت لیکر میدان جنگ مین جانے کا ارادہ کیا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، اُس وقت حضرت زینب فرماتی ہین ؎

زینبؑ نے کہا جس مین رضا ہے شہِ عالی
کیا غم ہے، نہ پوچھا مجھے- مان سے تو رضا لی
مین نے تو کوئی بات نہین منہ سے نکالی
مالک ہین وہی، مین تو ہون اک چاہنے والی
صدقے گئے فرزند، پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو میرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

بچپن میں یہ کاہے کو میری چھاتی پہ سوئے
کنگھی نہیں کی گیسوئے مشکیں نہیں دھوئے

کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے روئے
ان کیلئے کب میں نے بسر ہاتھ سے کھوئے

کیوں روتے ہیں یہ کس لئے حضرت کو قلق ہے
حق دار میں کاہے کو، مرا کون سا حق ہے

حضرت علی اکبر کو، حضرت زینب ہی نے پالا تھا، اور وہ انکو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں، حضرت علی اکبر بھی، ہر بات میں اُنھی کا مُنہ دیکھتے رہتے تھے، چونکہ انکو معلوم تھا کہ حضرت زینب میدان جنگ میں جانے کی اجازت بڑی مشکل سے دیں گی، اسلئے اُنہوں نے پہلے اپنی ماں باپ سے اجازت لی ہے کہ اور لوگ اجازت دیدیں تو حضرت زینبؑ سے درخواست کرنے کے لئے سند ہات آئے، اتنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، وہ بھری ہوئی بیٹھی تھیں، اُن کی طعن آمیز تقریر کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

یا مثلاً جب یزید کی بیوی ہند نے قید خانہ میں اہلِ حرم کے دیکھنے کے لیے جانا چاہا ہے، تو لونڈیوں اور پیش خدمتوں کی تقریر کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

سب عورتوں کو لیکے چلی جب وہ حق شناس
کپڑے یہ منگیجے ہیں بدل ڈالے لباس

کہنے لگیں یہ تب جو کنیزیں تھیں آس پاس
اسنے کہا کہ ہے مرے دل پر ہجوم یاس

اک دم میں سوگواروں کو میں دیکھ آتی ہوں
کیسا لباس، کیا کسی شادی میں جاتی ہوں

جب وہ قید خانہ کے دروازہ پر پہونچی ہے تو ؎

بڑھ کر کسی کنیز نے تب یہ کیا بیان
چلئے محل میں۔ آپ بھلا جائیں گی کہاں

بی بی اکوئی اسیروں میں زندہ نہیں ہے یہاں
قابل نہیں حضور کے جانے کے یہ مکان

گر غش ہوئی تو آپ مین آ جائیگا
ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائیگا

لونڈیان، ہند کو قیدخانہ مین جانے سے روکنا چاہتی ہین، اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے پہلے تو یہ کہا کہ یہان کوئی زندہ نہین، پھر یہ کہ یہ مکان آپ کے جانے کے قابل نہین پھر اس مین مبالغہ کا یہ اسلوب کہ آپ کو اختیار ہے لیکن ع ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائیگا۔

اسی مضمون کو ایک اور مرثیہ مین اس طرح باندھا ہے کہ دربانون نے اس خیال سے کہ قیدخانہ مین امام زین العابدینؑ بھی ہین اور وہ غیر محرم ہین، اہل حرم کی طرف مخاطب ہو کر کہا ہے ؎

یا تو بیمار کی آنکھین اُسیرا (قیدی ۱۲) بند کرین | یا ہم آ کر کسی حجرہ مین جدا بند کرین

غور کرو لونڈیون اور پیش خدمتون کی خوشامدانہ فطرت کا کس طرح اظہار کیا ہے، اور دربانون کی تحقیرانہ فرمایش کسقدر دلدوز ہے کہ یا تو زین العابدینؑ کی آنکھین بند کردو، یا ہم آ کر کسی حجرہ مین اُنکو بند کردین۔

یا مثلاً جب حُر نے اپنے بھائی بیٹے اور غلام سے مشورہ کیا ہے کہ کس کا ساتھ دینا چاہیے، تو اُنھون نے یون جواب دیا ہے ؎

بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت | آنکھون سے چلینگے کہ یہ ہے عین عبادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت | کچھ ڈر نہین، بس آج سے کی ترک رفاقت

مظلوم سے، دو روز کے پیاسے سے لڑین ہم
کیا خوب! محمدؐ کے نواسے سے لڑین ہم

عبد حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر | گر لاکھ ہون جانین تو نثار سرِ شبیر
دنیا مین نہوگا عمر سعد سا بے پیر | کہیے تو کرون اُسکے مٹا دینے کی تدبیر

حافظ ہے خدا، زور سے تلوار کے چلیے

اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے

دیکھو بھائی اور بیٹے نے جو کہا اور جو ارادہ کیا، اُن کو اجازت طلبی کی ضرورت نہین - بخلاف اسکے غلام کہتا ہے کہ ع کہیئے تو کرون اسکے مٹا دینے کی تدبیر، یہ وہی غلامانہ انداز گفتگو ہے - اس سے بڑھ کر یہ کہ اس فعل کو بھی اپنی طرف منسوب نہین کرتا بلکہ کہتا ہے ع اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ، میدان جنگ کو جا رہے ہین تو اُنکی زوجہ، حضرت شہر بانو سے کہتی ہین ؎

کہتی ہے رو رو کے بانوے عالم سے بار بار
ہے لونڈیون کے باب مین بی بی کو اختیار

ہم کو تباہ کرتے ہین عباس نامدار
کچھ آپ بولتی نہین اس وقت ہین نثار

کہیئے جو روکنے کی کوئی اسکے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھر تباہ ہو

اسی طرح کہتے کہتے، اخیر مین کہتی ہین ع بی بی مین کیا کرون مرے بچے صغیر ہین

دیکھو بیقراری کی معذرت مین کسقدر حسرت بھری ہوئی ہے - حضرت عباسؑ نے زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو ان کو روکا ؎

عباسؑ دیکھتے ہین جو زوجہ کا اضطرار
روتے ہین خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار

ہوتا ہے تیر غم جگر نا توان کے پار
شوہر کے غم مین یون کوئی ہوتا ہے بیقرار

آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
روتی ہین لونڈیان کہین آقا کے سامنے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ، حضرت امام حسینؑ کے اصرار اور امتثال امر کی بنا پر، دریا سے ہٹ آئے تو حضرت عباسؑ کی شجاعانہ حسرت کو اس طرح ادا کیا ہے -

شجاعانہ حسرت

سے کہتے تھے راہ مین کہ نہ زور اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

یا مثلاً حضرت عباس نے جب حضرت امام حسینؑ سے خیمہ نصب کرنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو، ؎

کچھ سوچ کر امام دوعالم نے یہ کہا — زینبؑ جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹا یہ سنتے ہی عباس باوفا — جا کر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا

سعادتمند چھوٹا بھائی کس ادب سے بڑی بہن سے خطاب کرتا ہے

حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا؟

یا مثلاً حضرت زینبؑ نے علی اکبر کو حضرت عباس کے بلانے کے لئے بھیجا ہے تو وہ جا کر مودبانہ طریقہ سے حضرت عباس سے کہتے ہین ع چلیے پھوپی نے یاد کیا ہی حضور کو،۔

یا مثلاً جب یہ بحث پیدا ہوئی ہے کہ فوج کا علم کسکو دیا جائے تو حضرت عباس کی بوی اپنے شوہر کا استحقاق اسطرح سے بیان کرتی ہین ؎

خادم شہ دین کے ہین تو عباس علی ہین — اس عہدہ کے لائق جو اگر ہین تو وہی ہین

"جو اگر" غلط ترکیب ہے لیکن مستورات کی زبان کی بعینہ نقل کر دینے نے وہ بات پیدا کر دی ہے جو صحیح لفظ سے پیدا نہین ہو سکتی تھی،

اس قسم کی صدہا مثالین ہین۔

بلاغت کا ایک نازک موقع وہان پیش آتا ہے جہان حریف مخالف کا ذکر کرنا ہوتا ہے، دشمن کو اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اسکے مقابلہ مین فتحمندی کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے، اور شان و شوکت دکھائی جائے تو مذہبی خیال کے خلاف ہوتا ہے، ایسے مشکل موقع پر میر صاحب جس طرح ان دونون

مشکلوں سے عہدہ برا ہوتے ہیں، اور مدح و ذم کو پہلو بہ پہلو رکھتے ہیں، اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے ہوگا

بالا قد، و کلفت، و تنومند، و خیرہ سر ۔ روئیں تن، و سیاہ درون، آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے، ترکش اجل کا گھر ۔ تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی، طبیعت بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُسکے اور اُسی قد و قامت کا ایک یل ۔ آنکھیں کبود، رنگ سیہ، ابروں پہ بل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پر دغل ۔ جنگ آزما، بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لئے، کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ حرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں ؎

نکلا یہ سُنکے غیظ میں اک پہلوان روم ۔ گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
سرہنگ، پُر غرور و سیہ قلب و نحس و شوم ۔ لنگر سے جس کے ہل گئی مقتل کی مرز و بوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

چہرہ مہیب غیظ سے، آنکھیں لہو کی جام ۔ تھرائے سام، خوف سے کاندھے پہ وہ حسام
مُونڈی، سیاہ بخت، سیہ دل، سیاہ فام ۔ کھاتا تھا لاکھ بل، جو کوئی لے علیؑ کا نام
گُندا ستمگر کا، پُتلا گناہ کا
دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا

ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گرز گاؤ سر ۔ پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ، بر میں بدگہر

زنجیرِ آہنی سے کسے جنگ پر کمر　　مُنہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر

دستانے دونون دست تعدّی پسند پر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

ایک اور موقع پر ہے

مثلاً اُدھر سے بھڑ وغا ایک روسیاہ،　　زور آور، و تہمتن، و مغرور، و کینہ خواہ،
کاندھے پہ گرز، بر مین زرہ، خشمگین نگاہ　　سر پر مثالِ قبضۂ تیغ آہنی کلاہ[5]

آمد شقی کی تھی کہ رواں رودِ نیل تھا
ہیبت مین تھا جو دیو، تو ہیکل مین پیل تھا

واقعات کے بیان مین، بلاغت کا ایک بڑا ضروری اصول یہ ہے کہ کہین سے سلسلۂ بیان ٹوٹنے نہ پائے، جب کوئی واقعہ مختلف اور متعدد واقعات پر مشتمل ہوتا ہے تو ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اکثر بیان کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے، یا زائد اور بھرتی کے لفظ لانے پڑتے ہین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی ایک واقعہ کا دوسرے سے پیوند لگایا ہے - مرزا دبیر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین، {میر انیس کے اکثر مرثیے، بہت سے متعدد واقعات پر مشتمل ہوتے ہین یہان تک کہ اگر اُن پر الگ الگ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر واقعہ ایک جداگانہ مرثیہ کا موضوع ہے لیکن تسلسلِ بیان کا یہ اثر ہے کہ تمام مختلف واقعات ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہین جسکی تمام کڑیان آپس مین ملی ہوئی نظر آتی ہین، }

مثلاً حُر کا ایک مرثیہ لکھا ہے - اسمین حسبِ ذیل مضامین بیان کئے ہین،

حُر کی مدح و صفت - امام علیہ السلام اور اہلبیت کا میدان جنگ مین آنا - دونون طرف کی طیاریان - حضرت امام حسین علیہ السلام کا وعظ اور اتمام حجت کی تقریر - عمر بن سعد کا حُر کی طرف مخاطب ہونا اور دونون کے

سوال وجواب۔ حُر کا امام حسینؑ کی طرف رُخ کرنا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا بزرگانہ استقبال۔ حُر کی عفوخواہی اور امام حسین علیہ السلام کا عفو و کرم، حُر کا جنگ کے لئے اجازت طلب ہونا۔ میدان جنگ مین جانا اور شہید ہونا۔ مرنے کے وقت حضرت امام حسین کا حُر کے پاس پہنچنا اور نزع کی گفتگو۔

یہ مرثیہ بہت بڑا ہے اور ہر واقعہ کو نہایت طول دیکر لکھا ہے۔ اسلیئے پورا مرثیہ اس موقع پر نقل نہین کیا جا سکتا، ہم صرف اُن موقعون کے اشعار نقل کرتے ہین جہان جہان ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف انتقال کیا ہے

مرثیہ حُر کی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ تعریف کرتے کرتے لڑائی کا ذکر کرتے ہین، ؎

وصف حُر مین ہے زبان معترف عجز و قصور
آمد آمد کی بہادر کا کرون اب مذکور
جب ہوئی مستعد جنگ سپاہ مقہور
مہر افلاک امامت نے کیا رن مین ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

ہو گئے سُرخ شجاعت سے رُخ آلِ نبی ؐ
آئی ٹھنڈی جو ہوا پھول گئے تشنہ لبی
رن مین کڑکا ہوا بجنے لگے باجے عربی ؐ
یکہ تازون نے کیا شور مبارز طلبی
ایک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ کارون کی
برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

برچھیان تول کے ہر غول سے اسوار بڑھے ہے
نیزے ہاتون مین سنبھالے ہوئے خونخوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّون مین کماندار بڑھے
بولے شہ، یان سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے

(یہان سے امام حسینؑ کا وعظ و تلقین کی طرف اگریز ہے)

اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہین ؎
مین نبی زادہ ہون سبقت مجھے منظور نہین

یہ سخن کہکے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
اے سپاہ عرب و مصر و رے کوفہ و شام۔

تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام ‌‌ ‌ پسرِ مصحفِ ناطق ہون سنو میرے کلام

سخنِ حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

امام حسینؑ کا وعظ نہایت تفصیل سے لکھا ہے اسکے بعد عمر بن سعد اور حُر کی مخاصمانہ گفتگو اور سوال و جواب کا بیان کرنا تھا، اسکے لئے ربطِ کلام کا یہ طریقہ نکالا کہ حضرت امام حسینؑ کے وعظ سے تمام فوج متاثر ہوئی یہان تک کہ عمر بن سعد نے حُر کی طرف (ایک افسر فوج کی حیثیت سے) دیکھا کہ یہ کیا رنگ ہے، اسنے کہا امامؑ بالکل سچ کہتے ہین اس طرح دونون مین تکرار اور رد و کد کا سلسلہ شروع ہوا اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

شہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی ظالم کی سپاہ ‌‌ ‌ عمر سعد نے کی طرف کے رُخ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہین شاہ ‌‌ ‌ محسن و منعم و آقا ہے میرا وہ ذیجاہ

اسکے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جاے
سخنِ حق مین جو شک لاے وہ کافر ہو جاے

دونون مین دیر تک رد و قدح ہوتی رہی، اب اس واقعہ کے بیان کرنے کا موقع آیا کہ حُر نے امام حسین کی طرف رخ کیا اور اُن سے جا کر ملگیا، اسکو یون ادا کیا کہ عمر بن سعد حُر سے کہتا ہے کہ خبردار اگر تو نے اُدہر جانے کا قصد کیا تو پرچہ نویس یزید کو خبر کر دین گے اور تیری جان پر آفت آجاے گی، حُر جواب دیتا ہے ؎

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے اے ابلیس ‌‌ ‌ وہی کونین کا مالک ہے وہی راس رئیس
کیا مجھے دے گا تیرا حاکم ملعون و خسیس ‌‌ ‌ کچھہ تردد نہین، کہدے کہ لکھین پرچہ نویس

ہان سوے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہون

ے ستمگر جو سمجھاتا تھا تو اب جاتا ہون

کہکے یہ جواب ہے غازی نے نکالی تلوار — سرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آیا یکبار
تن کے دیکھا طرف فوج امامِ ابرار — پانون رکھنے لگا تن تن کے زمین پر رہوار
غل ہوا سید والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدار حسین ابن علی جاتا ہے

کیا دو تین رسالون نے تعاقب ہر چند — حُر کا ہات آنا تو کیسا؟ نہ ملی گرد سمند
کٹتے تھے، ہات مین وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند — یہ فرس تھا کہ چھلاوہ، یہ پری تھا کہ پرند
کیا سُبک سوئے چمن بادِ بہاری پہنچی
ہم یہین رہ گئے، وان حُر کی سواری پہنچی

حضرت امام حسینؑ نے عباس علمدار کو حُر کے استقبال کو بھیجا، اسکی تقریب یون پیدا کی ہے —

یان ہوئے علم امامت سے شہِ دین آگاہ — ہنسکے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے، رخِ حُرِّ ذیجاہ — سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہمان، میرا عاشق میرے پاس آتا ہے

اسکے بعد حُر کی معذرت خواہی حضرت امام حسینؑ کا عفو، پھر حُر کی طلبی اذن جنگ کو نہایت خوبی اور پُراثر طریقہ سے ادا کیا ہے پورا مرثیہ پڑہو، اور جہان جہان ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے، ان پر غور سے نظر ڈالتے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ سلسلہ تقریر کے زور سے مختلف واقعات کو کس خوبصورتی سے ایک لڑی مین پرو دیا ہے۔

بلاغت کی جزئیات بلاغت کے جزئی اسالیب، نہایت مختلف الصورة ہین اور چونکہ ہر جگہ ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے اس لئے اُن کی کلّیات مشکل سے قائم ہو سکتے ہین، چند مثالون سے

اس کا اندازہ ہوسکے گا۔

مثال ۱، جب امام حسین علیہ السلام کے تمام عزیز و اقارب و رفقا شہید ہو چکے ہین تو اتفاق سے ایک راہرو کا ادہر گذر ہوا، وہ یہ عبرت انگیز موقع دیکھہ کر ٹھہر گیا اور امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت پوچھنی شروع کی، آپ نے اپنی مظلومی اور دشمنون کی بے رحمی کی داستان سُنائی، لیکن اپنا نام نہ بتایا، وہ آپ کا صورت شناس نہ تھا، لیکن قراین سے اس کو اشتباہ ہوتا تھا کہ آپ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہین، بالآخر اسنے کہا کہ ع اظہار اسم اقدس و اعلیٰ مین کیا ہے باک،، آپ نے جو کچھہ اور جس طرح جواب دیا اس کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون	مولا نے سر جُھکا کے کہا مین حسینؑ ہون

اس شعر مین بلاغت کے جو نکتے ہین صرف مذاق صحیح اُن کا احاطہ کرسکتا ہے، تاہم جس حد تک بیان مین آسکتا ہے ہم بیان کرتے ہین،

موقع کی حالت یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ اپنا نام اس حیثیت کے ساتھہ بتائین جس سے کسی قدر شرف اور فضیلت کا اظہار ہو، تاکہ پوچھنے والا سمجھہ سکے کہ یہ وہی امام حسین ہین جن کا وہ غائبانہ دلدادہ اور مشتاق ہے، لیکن امام ممدوح کو خاکساری مانع آتی ہے، وہ اسپر اکتفا کرتے ہین کہ مین حسینؑ ہون، لیکن چونکہ مستفسر قراین سے اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ محض نام لینے سے بھی غالباً پہچان لے گا، اور اس لیے حسینؑ کہنا بھی گویا اپنے آپ کو، امام کہنا ہے، اس بناپر نام لینا بھی ایک طرح پر شرف اور فضیلت کا اظہار ہے، اس لیے خالی نام لیتے ہوئے بھی آپ شرما جاتے ہین اور شرم سے آپ کی گردن جُھک جاتی ہے اس بناپر شاعر کہتا ہے کہ ع مولا نے سر جُھکا کے کہا مین حسین ہون، لیکن شاعر کو جو امام حسین علیہ السلام کی عظمت کے اثر سے لبریز ہے، گوارا نہین ہوتا کہ آپ کا نام اس سادگی سے لیا جاے، اُس کے نزدیک امام علیہ السلام اگر اپنے آپ کو بادشاہ مشرقین کہتے تو یہ کچھہ خود ستائی نہ تھی، بلکہ محض ایک واقعہ تھا جس طرح

رسول اللہ اپنے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اور یہ خود ستائی نہین خیال کیجاتی تھی، شاعر کے دل مین حسرت ہے کہ کاش امام نے بیان واقعہ ہی کیا ہوتا، اس کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ع یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون، تاہم اس سے یہ خیال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی عالی ظرفی اور شرافت نفس کا یہی اقتضا تھا کہ وہ خاکساری کو بیان واقعہ پر مقدم رکھتے،

اس موقع پر یہ کہے بغیر رہا نہین جاتا کہ اسی واقعہ کو مرزا دبیر صاحب نے اسطرح باندھا ہی ع فرمایا مین حسین علیہ السلام ہون، میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کی جو بحث ہے، اُس کے فیصلہ کے لئے دونون کے صرف یہ دونون مصرعے کافی ہین،

مثال ۲، میدان کربلا مین امام علیہ السلام، یزیدیون سے پہلے پہونچے تھے، اور نہر فرات کے قریب اُترے تھے، یزید کی فوج پہونچی تو رئیس فوج نے امام علیہ السلام کی فوج کو وہان سے ہٹا دینا چاہا! اور کہا، کہ ؎

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہین ادہر
ہے آج شب کو داخلہ تھمسر کی خبر

اُن کی آمادگی اور شرارت دیکھ کر، امام علیہ السلام کے رفقا برہم ہوئے، اس موقع کی تصویر اس طرح کھینچتے ہین، ؎

بگڑے ابوثمامہ وسعدِ فلک سریر
جوڑا کمان مین، ابن مظاہر نے ایک تیر

تولی زُہیر قین نے شمشیر بے نظیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر

عباس کو غیظ لشکر بدخو پہ آگیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین
بولے پکڑ کے نیچے زینب کے مہ جبین

قبضہ پہ ہات رکھکے بڑھے اکبر حسین
شیرون سے کیا ترائی کو لینگے اہل کین

ابو تمامہ - سعد - زہیر قین - اسد - عابس - حضرت امام حسین کے رفقا میں سے تھے، حضرت قاسم بھتیجے، حضرت علی اکبر صاحبزادے، اور حضرت زینب کے صاحبزادے آپکے بھانجے تھے، اس موقع پر بلاغت یہ ہے کہ جن لوگون کو جس قدر امام علیہ السلام سے قرب تھا، اُسی نسبت سے اُنکی طیش و آمادگی جنگ کی حالت دکھائی ہے، ابو تمامہ اور سعد بگڑ کر رہ گئے، اسد نے کہا کہ یہ زجر کے قابل ہین، عابس کو غصہ آگیا، ہلال کے ابرو پر بل پڑ گئے، زہیر قین نے تلوار تول لی، حضرت قاسم نے آستین اُلٹی، حضرت علی اکبر تلوار کے قبضہ پر ہات رکھہ کے آگے بڑھے، زینب کے صاحبزادون نے نیچے سنبھال لئے، اس فرق مراتب کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے،

مثال ۳، جب تمام اعزہ اور احباب شہید ہو چکے، اور صرف علی اکبر کا دم باقی رہ گیا، تو دشمنون نے چاہا کہ امام حسین علیہ السلام انکو بھی میدان جنگ مین بھیجین تا کہ بیٹا باپ کی آنکھون کے سامنے خاک و خون مین ملادیا جائے، اس غرض سے انھون نے اس طرح امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کیا، ۵

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہ دین پناہ ۔۔۔ باقی ہے اور کوئی کہ بس ہو چکی سپاہ
عباس سا تو اب کوئی ہو گا نہ خیر خواہ ۔۔۔ بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہین راہ

چُنتے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچایئے گا کلیجہ کو، داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباسِ نامدار ۔۔۔ اب بے چراغ ہے لحد شیر کردگار
حضرت کا صبر و شکر ہے عالم پہ آشکار ۔۔۔ مثل خلیل کیجئے فرزند کو نثار

آہین نہ بھرئے پیٹ کے سر کو نہ رویئے
جب جانین ہم کہ کھو کے پسر کو نہ رویئے

بھائی کا داغ اور ہے داغ پسر ہے اور ۔۔۔ بازو کا درد اور ہے درد جگر ہے اور

قوت بدن کی اور ہے نورِ نظر ہے اور | سینہ کا زخم اور ہے درد کمر ہے اور

گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجیے
نیزون مین اپنے گیسوون والے کو بھیجیے

دشوار ہے اگر غم فرزند نوجوان | مرنے کو آپ آئیے اے قبلۂ زمان
مشتاقِ تیر ہین تبر و خنجر و سنان | جان اپنی دیجیے جو ہے پیاری پسر کی جان

اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سر انور سے کام ہے

ان تمام اشعار مین دشمنون کی طنز، تعریض، اور لاگ دلاکر علی اکبر کے بھجوانے کو کس بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے، طنز کا سب سے بڑا نکتہ یہ ہے کہ اسمین واقعیت کا پہلو موجود ہو، کیونکہ سچا طعنہ نہایت سخت اثر کرتا ہے، یہ امر کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہوتا ہے، ایک بدیہی بات ہے، پھر اس دعوے کو متعدد تمثیلون سے اور زیادہ قطعی کر دیا ہے یعنی بازو کے درد کو جگر کے درد سے کچھ نسبت نہین، جسم کی طاقت پر آنکھون کی بصارت کو ترجیح ہے، سینہ کے زخم سے کمر کے درد کو کیا نسبت ہے،

امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو حضرت علی اکبر سے پہلے میدان جنگ مین بھیجدیا تھا تو اس وجہ سے بھیجا تھا کہ عباسؑ کسی طرح گوارا نہین کرتے تھے کہ اُنکے ہوتے علی اکبر پر آنچ آجائے، لیکن دشمن اسکی وجہ یہ بتاتے ہین کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کی یہ لڑائی دینداری پر مبنی نہین ہے، ورنہ خدا کی راہ مین بیٹے اور بھائی کی کیا تمیز تھی، بلکہ بیٹے کو خدا کی راہ مین پہلے نثار کرنا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، پھر یہ بڑھا دیتے ہین کہ آپکا صبر اور شکر تو مسلّم الثبوت ہی، بیٹے کیلیے یہ بیقراری کیون؟ ان طنزیہ فقرون مین جن الفاظ سے امام علیہ السلام کو خطاب کیا ہی، بالکل تعریض سے بھرے ہوئے ہین، شاہ دین پناہ۔ قبلۂ زمان۔ سر انور۔ ان سب الفاظ کے یہ معنی کہ آپ اپنے آپ کو ایسا سمجھتے ہین۔

مثال ۴۴، واقعہ کربلا کے بعد جب اہل بیت یزید کے دربار مین گئے ہین تو یزید نے اُنسے اسطرح خطاب کیا ہے، ع

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر
دیکھ کر سید سجاد کو بولا وہ شریر
سرکشی کرکے نہ سر پر ہوئے مجھ سے شبیرؑ
شکر کرتا ہون کہ خالق نے کیا تمکو حقیر
بیٹھنے کا کہین دنیا مین سہارا نہ رہا
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمہارا نہ رہا

ہان کہو آج حمایت کو پیمبرؐ ہین کہان
کیا ہوئے ابن علی، حیدر صفدر ہین کہان
قید مین اُنکی بہو آئی ہے شبرؑ ہین کہان
ننگے سر زینب دلگیر ہے سرور ہین کہان
ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کسکا ہے

ان اشعار مین یزید کے کفر اور ارتداد کو ایسے بلیغ اور لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے جس سے زیادہ خیال مین نہین آسکتا، یزید کو تسلیم ہے کہ سید سجاد یعنی امام زین العابدین اور اہل حرم نہال نبوت کے شاخ و برگ ہین، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ان کا جو کچھ زور ہے وہ جناب رسالتؐ پناہ اور آل عباؑ کے بل پر ہے، باوجود اسکے اس بات پر مسرت ظاہر کرتا ہے کہ ان کا زور نہین رہا، جس کے یہ معنی کہ اُس کو خود رسولؐ اللہ کے دنیا مین نہ رہنے کی خوشی ہے، اس پر بھی اکتفا نہین کرتا، بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ رسولؐ اللہ کہان ہین؟ حسینؑ کہان ہین؟ علیؑ کہان ہین؟ حسن کہان ہین؟ ان سب پر طرہ یہ کہ ان باتون پر خدا کے احسان کا ممنون ہے کہ اُس نے اہل بیت کو خوار اور حقیر کیا، گویا یہ امر خود خدا کو پسند اور مرغوب تھا۔ اخیر کا مصرع اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے، بلاغت کی جان ہے، غور سے دیکھنے کی فرمائش اسلئے ہے کہ امام زین العابدین کے نزدیک حسین اس پایہ کے

شخص تھے کہ اُنکے سر کا کاٹا جانا اور یزید کے دربار مین حاضر کیا جانا عقل مین نہین آسکتا، اس لئے کہتا ہے کہ شک ہو تو ذرا غور سے دیکھو، ذرا کا لفظ اور زیادہ بلیغ ہے،

مثال ۵،۵

ٹھہرا رہے تھے سُنکے یہ تاکید خاص و عام
دیکھا کیا شقی یہ نہ حُر نے کیا سلام
چین برجبین قریب گیا حُرِّ نیک نام
کافر سے کیا جُھکے وہ خدا ہی ہو جسکو کام
چین برجبین قریب جو وہ شیرِ نر گیا
اللہ رے رعبِ حق کہ پسرِ سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُرِّ نامور
کتنے جوان صفون مین ہین کتنے ہین نفر
رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کہ ہم
حر نے کہا کہ مجھکو کچھ اس کی نہین خبر
دنیا مین زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
مین ہون کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

کہنے لگا یہ حُر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
سربرنہ ہون گے ہم سے کبھی سرورِ حجاز
مدت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز
اب بعد فتح اور بھی ہوگا تو سرفراز
زیرا اس مین کیا جو امر قریب الوقوع ہو
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

جو اس مین تیری راے وہی ہے مجھے پسند
تھوڑے سے بہت ہین یاورِ سلطانِ ارجمند
پانی تو تین دن سے ہے پردیسیون پہ بند
بس جائین گے اُٹھائے سوارون نے جب سمند
لشکر مین یان چھ لاکھ دلاور جوان ہین
وان ایک صف ہے جس مین بہتّر جوان ہین

آمادہ قتل شاہ پہ ہین سب جوان وپیر
کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر

کٹتا ہے اب سر پسر شاہ قلعہ گیر
حر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر

انسان کو اختیار ہے خود اپنے کام مین
مجھکو شریک کرتا ہے قتل امام مین

یہ وہ موقع ہے کہ حر جو یزید کے رسالہ کا افسر تھا، اس بات پر آمادہ ہو چکا ہے کہ یزید سے ٹوٹ کر امام علیہ السلام کی فوج مین آجائے، یہ خبر سپہ سالار یعنی ابن سعد کو پہونچی تو وہ حر کو طلب کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسکو رام کرکے، اس ارادہ سے روک لے، باوجود اسکے کہ حر کے ارادہ کی خبر سن چکا ہے اور جب حر اُسکے سامنے گیا تو سلام تک نہ کیا، تاہم ابن سعد اس تجاہل کے ساتھ پیش آتا ہے کہ گویا اسکو اس واقعہ کی مطلق خبر نہین، بالکل خالی الذہن ہو کر پوچھتا ہے ع رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کدھر، حر نہایت بے پروائی اور گستاخی سے جواب دیتا ہے، ابن سعد اسکو بھی نظرانداز کرتا ہے اور اس طرح سے پرچڑھاتا ہے کہ یزید کو مدت سے تیری وفاداری پر ناز ہے، اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام کسی طرح اس معرکہ مین کامیاب نہین ہو سکتے، پھر کس استمالت سے کہتا ہے کہ ؎

ع تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو،

ع جو اس مین تیری رائے وہی ہے مجھے پسند،

ع کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر،

گویا کوئی کام حر کے مشورہ کے بغیر کرنا نہین چاہتا۔ اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام کی فوج نہایت کم ہے، کُل ایک صف ہے، اور اسمین بھی صرف بہتّر جوان ہین، امام سے لڑنے کے لئے کہتا ہے لیکن اُنکا نام جب لیتا ہے تو کبھی سرور حجاز، کبھی سلطان ارجمند، کبھی شاہ کے لفظ سے خطاب کرتا ہے یہ بھی استمالت کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اگر صاف صاف امام علیہ السلام کی برائی کیجائے تو ڈر ہے

کہ عمر بالکل ہٹنے سے اُکھڑ جائے،

مثال ۶، سے

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام	شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
لِلّٰہ رو کئے نہ اب اسے خواہرِ امام،	وہ امر کیجئے کہ بڑھے جس سے میرا نام

بیکس ہون ساتھ مان نہین، سر پر پدر نہین،
مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت زینبؑ کے دونون صاحبزادے شہید ہو چکے ہین، اور حضرت عباسؑ میدان جنگ مین جانا چاہتے ہین، لیکن حضرت زینبؑ روکتی ہین، حضرت عباسؑ منت اور لجاجت کرتے ہین کہ لِلّٰہ نہ روکئے۔

اسکے لئے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، اول تو اُن کو خواہر امام سے مخاطب کیا ہے، حالانکہ وہ حضرت عباس کی بھی بہن تھین، اس سے علاوہ اس کے کہ اُن کا احترام مقصود ہے، خفیف سا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ آپ کو مجھہ سے وہ محبّت نہین، جو حقیقی بھائی بہن مین ہوتی ہے، اور چونکہ درحقیقت حضرت زینبؑ اُن کی حقیقی بہن نہ تھین، یہ تعریض زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر فرماتے ہین کہ مین بیکس ہون، نہ باپ سر پر ہے نہ مان ساتھہ ہے، سب سے کارگر یہ فقرہ ہے کہ ع مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین، یعنی اگر آپ کا فرزند نہ ہوتا تو مجھکو بھی اسی طرح اجازت دیتین جس طرح اپنے صاحبزادون کو دی اور اُنھون نے شہادت کی دولت حاصل کی،

مثال ۷، سے

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے	تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، مدینہ منورہ سے روانہ ہو رہے ہین، تمام خاندان کو ساتھہ

لیا ہے، لیکن صغریٰ کو باوجود اس کے کہ آپکی چہیتی بیٹی تھین بیماری کی وجہ سے ساتھ نہیں لیجاتے صغریٰ نہایت گریہ وزاری کرتی ہین اور ایک ایک سے سفارش کراتی ہین کہ مجھکو بھی ساتھ لیتے چلیے لیکن کوئی ہامی نہین بھرتا، اُسوقت علی اصغر سے جو شش ماہہ بچّے تھے، خطاب کرکے کہتی ہین کہ اس وقت میرا اور کوئی مددگار نہین ہے، ایک تم ہو لیکن افسوس تم کو بولنے کی طاقت نہین، تمام لوگون سے مایوس ہوکر ایک بچہ کا سہارا ڈھونڈنا اور پھر یہ خیال کہ وہ بولنے کے قابل نہین، انتہا درجہ کی حسرت اور ناکامی کی تصویر ہے

مثال ۸، ۵

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم		جوشش مین آگیا اللہ کا دریاے کرم	
خود بڑے ہے ہاتون کو پھیلاکے شہنشاہ امم		حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اسدم	

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر تیرے لینے کو حسینؑ آتے ہین

اخیر شعر مین امام حسین علیہ السلام کا نام، جس سادگی سے لیا ہے کمال بلاغت ہے، اس موقع پر اگر بہت سے اوصاف کے ساتھ انکا نام لیا جاتا تو یہ بات حاصل نہوتی، جب کوئی شخص کمالات وفضائل مین انتہا کے رتبہ تک پہونچ جاتا ہے تو اُس کے نام لینے کے ساتھ اس کے تمام اوصاف اور کمالات خیال مین آجاتے ہین، ان کے سادہ نام لینے سے اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے، نظامی نے بھی ایک موقع پر اس اسلوب کو برتا ہے، دارا نے جب سکندر کو خط لکھا ہے تو سکندر کے دعواے ہمسری پر نہایت تعجب اور افسوس ظاہر کیا ہے، اس موقع پر کہتا ہے، ۵

فلک بین چہ ظلم آشکارا کند		کہ اسکندر آہنگ دارا کند	

دارا نے یہ فرض کیا ہے کہ سکندر کی حقارت اور میری جاہ وعزت اسقدر مسلّمہ عام ہے کہ صرف دونون کا نام لے لینا کافی ہے، چنانچہ کہتا ہے کہ آسمان کا یہ ظلم دیکھو! کہ سکندر، دارا کے مقابلہ کا قصد کرتا ہے لیکن

یہان اس طرز بیان کا موقع نہ تھا، اس لیئے سننے والون پر کچھ اثر نہین پڑتا - دارا کے زمانہ مین ممکن ہے کہ یہ حالت رہی ہو، لیکن آج سکندر کی عظمت و شان اسقدر مسلم ہے کہ سکندر کے محض نام لینے سے اسکی حقارت کا تصور نہین ہوتا اس لیئے شاعر (نظامی) کو چاہیئے تھا کہ وہ اور واقعات سے پہلے سکندر کی ذلت اور حقارت ثابت کرتا، تب یہ طریقہ بیان موثر ہوتا، یہی موقع فردوسی کو بھی عرب و عجم کے مقابلہ مین پیش آیا - چونکہ فردوسی بلاغت کے تمام اصول سے واقف تھا اُسنے سمجھا کہ گو اُس زمانہ مین عرب کی وہی حالت تھی، لیکن جس زمانہ مین خود فردوسی موجود ہے وہ حالت بدل گئی ہے، یعنی عرب کی عظمت تمام قلوب پر چھائی ہوئی ہے، اس لیئے محض عرب کے نام لینے سے سامعین کے دل مین عرب کی حقارت اور ذلت کا خیال نہین آسکتا اس لیئے اُسنے پہلے یہ بیان کیا کہ عرب اونٹ کا دودھ اور گوہ کا گوشت کھایا کرتے تھے، اس طرح اُسنے عرب کی قدیم حالت کی تصویر کھینچدی اور چونکہ بیان واقعی تھا، اس لیئے اس کا پورا اثر ہوا - ؎

زشیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیان را کند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اس کے ساتھ عجم کا ذکر تخت کے ساتھ کیا، اور عجم کا نام لیا تو کیان کے لفظ سے لیا جو خود شوکت و شان پر دلالت کرتا ہے، اب جب دونون قومون کی ذلت اور عظمت کا نقشہ کھنیچ چکا تو یہ الفاظ ع تفو بر تو اے چرخ گردان تفو - آج بھی سامعین کے دل مین انقلاب زمانہ پر حسرت کا وہی اثر پیدا کرتے ہین جو اس وقت عجم کے دل مین پیدا ہوا تھا -

مثال ۹، حُر نے جب یزید کی فوج سے الگ ہو کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہونا چاہا ہے تو دور ہی سے عفو تقصیر کے لیئے اس طرح فریاد کی ہے - ؎

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار	الغیاث اے جگر و جان رسول مختار

مجرم ایسا ہون کہ عصیان کا نہین جسکے شمار
عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفار

پار دریاے خطا سے مری کشتی ہوجائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہوجائے

اے مددگار و معین الضعفا اَدرِکنی
اے خبرگیر گروہِ غُربا اَدرِکنی
پانون لغزش مین ہین اے دستِ خدا اَدرِکنی
ہات باندھے ہوے ہون مین اے عُقدہ کشا اَدرِکنی

دیجیئے حُر کو سندِ نار سے آزادی کی
آیئے جلد خبر لیجیئے فریادی کی

میرے اعمال مین ہر چند سراسر ہے بدی
ہون گنہگار خدائے ازلی و ابدی
آپ ہین مالکِ سرکارِ جنابِ احدی
اے خداوند جہان خُذ بِیدی خذ بیدی

جو تہیدست ہین تکتے ہین شہنشاہ کا ہات
آپ کا ہات زمانے مین ہے اللہ کا ہات

پھر جب جناب امام علیہ السلام نے اس کی تقصیر معاف کردی ہے اور کمال مہربانی سے پیش آئے ہین تو

حُر پکارا بابی انت و امی یا شاہ
قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین ملجائے یہ راہ
سب ہے صدقہ انہین قدمونکا خدا ہے آگاہ

مہر ذرہ پہ جو ہو نیر تابان ہوجائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہوجائے

اس موقع پر میر انیس نے اپنی عادت کے خلاف، متعدد عربی جملے استعمال کئے ہین جو اُردو مین بظاہر غریب اور نامانوس معلوم ہوتے ہین، لیکن ان جملون کی وجہ سے اُس وقت کی حالت کی جو تصویر کھنچ جاتی ہے وہ اور کسی طرح ممکن نہین - دعا - استغاثہ اور فریاد کے لئے عربی جملے ایک خاص

اثر رکھتے ہین، اور اس لئے جاہل سے جاہل آدمی بھی جب دعا مانگتا ہے تو عربی ہی الفاظ استعمال کرتا ہے استغاثہ اور فریاد کے وقت بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہین - مثلاً الامان - الغیاث چونکہ حُر عربی النسل ہے اس لئے اس کی زبان سے بعینہ وہ الفاظ جو ان موقعون پر عرب استعمال کرتے ہین، واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے زیادہ کارگر ہو سکتے ہین، بابی انت و امی فدا اور قربان ہونے کے موقع پر بولتے ہین، اور یہ فقرہ ایسا موثر اور دلنشین ہے کہ اُردو کا کوئی جملہ وہ اثر پیدا نہین کر سکتا تھا -

مثال ۱۰ - حضرت عباس کو جب امام حسین علیہ السلام نے فوج کا علم عنایت فرمایا ہے تو حضرت زینبؑ اُن سے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئین گے جب سرور امم ہاتھون کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیر غم	تب دونگی تم کو تہنیت عُہدۂ علم کیجو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بخشا انھین سے سگی بہن اپنے بھائی کو

اخیر شعر مین معمولی طریقۂ کلام یہ تھا کہ مجھکو تم سے بڑی امید ہے اور مین امام حسینؑ کو تمھین سے لونگی - لیکن حضرت زینبؑ نے اپنے آپ کو زہرا کی جائی کہا، اور پھر کہا کہ بہن اپنے بھائی کو تمھین سے لیگی - اس اسلوب کلام کے بدل دینے سے جو بلاغت پیدا کی وہ خود ظاہر ہے -

مثال ۱۱ ؎

پرسا تمھین شہید کا دینے کو آئے ہین پیٹتے ہین، خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہین	کس کس کے داغ آج جگر پر اُٹھائے ہین یہ ہم تمھارے لال کے خون مین نہائے ہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت علی اکبر شہید ہو چکے ہین اور امام حسین علیہ السلام زنانہ مین تشریف لے گئے ہین اور حضرت زینبؑ سے علی اکبر کی شہادت کا واقعہ بیان فرماتے ہین - اس موقع پر یہ لفظ "تمھارے لال"

ایک خاص اثر پیدا کرتا ہے، علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے لیکن امام علیہ السلام ان کو حضرت زینبؑ کا لال کہکر خطاب کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ ہم جو خون مین نہائے ہین، یہ تمھارے لال کا خون ہے،، انسان کو رنج و غم کی حالت مین جب کوئی نہایت قریب کا عزیز ہمدرد اور غمگسار مل جاتا ہے تو جوش محبت مین اُس غم کو اپنی ذات کے ساتھ نہین بلکہ اُسی شخص کی طرف منسوب کرتا ہے، گویا اُس سے ایسی ہمدردی کی امید کرتا ہے کہ وہ واقعہ خود اسی شخص پر پیش آیا ہے یہان اس طرز بیان نے زیادہ اثر اس وجہ سے پیدا کیا ہے کہ فی الواقع حضرت زینبؑ کو علی اکبر سے نہایت سخت محبت تھی، علی اکبر کو بچپن سے اُنھی نے پالا تھا اور انکو اپنے بیٹون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین۔

مثال ۱۲۔ جب حضرت عباسؑ نے پانی لانے کے لئے نہر پر جانا چاہا ہے۔ تو حضرت زینبؑ نے خطرہ کے لحاظ سے ان کو روکنا چاہا۔ امام حسینؑ بھی ان کا جانا گوارا نہین کرتے۔ اُسوقت حضرت عباسؑ کی زوجہ حضرت زینبؑ سے کہتی ہین ؎

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات مشکیزہ لیکے گر یہ بجائین سوے فرات	بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات پھر ننھے ننھے بچون کی ہو کسطرح حیات

ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہون
آگے جو کچھ سبھون کی رضا مین تو غیر ہون

یہ فقرہ ”مین تو غیر ہون،، اس موقع پر نہایت موثر اور بلیغ فقرہ ہے ۔ وہ حالانکہ حضرت عباسؑ کی بیوی ہین لیکن اپنے آپ کو غیر کہتی ہین۔ یہ اس بات کی تعریض ہے کہ میری بات نہ ماننا گویا مجھکو غیر سمجھنا ہے۔

مثال ۱۳ ؎

قیدی ہون ظلم رسیدہ بھی ہون نادار بھی ہون	اس لٹے قافلے کا قافلہ سالار بھی ہون

یہ وہ موقع ہے کہ ہندہ (یزید کی بیوی) قیدخانہ کے دیکھنے کے لئے گئی ہے، وہان امام زین العابدینؑ

کو قید مین دیکھہ کر نام و نسب پوچھا ہے اور امام موصوف نے جواب دیا ہے - اس شعر مین قافلے کے ساتھہ لُٹے کی قید نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے - حسرت اور رنج کے اظہار کا یہ انتہائی درجہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو، ایک ظاہری معزز لقب سے یاد کرتا ہے اور ساتھہ ہی ایک دوسرا لفظ بھی ایسا استعمال کرتا ہے جس سے وہ معزز لقب، اور زیادہ ناکامی اور حرمان ثابت کرتا ہے - امام زین العابدینؑ نے اپنے آپ کو قافلہ سالار کہا، لیکن یہ بھی کہدیا کہ لُٹے قافلے کا قافلہ سالار ہون -

مثال ۱۴ سے

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوے اعدا سے امام تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام	اے سپاہ عرب و مصر در ے و کوفہ و شام پسر مصحف ناطق ہون، سنو مجھ سے کلام

سخنِ حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

تیسرے شعر مین ”جو مناسب ہو“، کے جملہ معترضہ نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے چونکہ وعظ اور پند کا موقع ہے اور یزیدیون سے توقع بھی نہ تھی کہ وہ امامؑ کی کسی بات کو جو تحکم کے لہجہ مین کہی جاتی قبول کرتے - اس لئے اُنھین کی مرضی پر رکھا گیا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو باجون کا شور، ذرا موقوف کردو

استعارات و تشبیہات یہ چیزین حُسن کلام کا زیور ہین بلکہ سچ یہ ہے کہ نظم و نثر اور تقریر و تحریر مین جو کچھہ جادوگری ہے بہت کچھہ انھی کی بدولت ہے، لیکن جسطرح ہر چیز جب تک نیچرل حالت مین رہتی ہے، اس کا اصلی حُسن قائم رہتا ہے، جب تکلف اور تصنع شروع ہوتا ہے تو اثر مین کمی آجاتی ہے، اسی طرح تشبیہ اور استعارہ مین بھی جب بقصد و تکلف، غرابت اور غیر معتدل ندرت پیدا کی جاتی ہے تو اصلی اثر جاتا رہتا ہے -

اُردو کی شاعری مین جس طرح اور بہت سے بے معنی تکلفات پیدا ہو گئے ہین جنہون نے شاعری کا اصلی جوہر خاک مین ملا دیا ہے، اسی طرح تشبیہات و استعارات کی حالت بھی بالکل بدل گئی ہے، اور لطف یہ کہ

آجکل کے اہل سخن بدمذاقی سے، اسی کو کمالِ سخن سمجھتے ہین۔

انسان مین فطرۃً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ وہ اشیا کی تصویر سے لطف اُٹھاتا ہے، ایک بدصورت حبشی ہمارے سامنے آئے تو ہم کو نفرت ہوگی، لیکن اگر کوئی ہوبہو اس کی تصویر کھینچ دے تو ہم کو لطف آئے گا اور جسقدر وہ زیادہ اصل کے مطابق ہوگی اُسی قدر طبیعت پر لطف اور استعجاب کا زیادہ اثر ہوگا چونکہ تشبیہ بھی ایک قسم کی تصویر ہے، اس لئے طبیعت کا اس سے محظوظ اور متلذذ ہونا ایک فطری امر ہے۔

تشبیہ کی دو قسمین ہین۔ مفرد۔ مرکب۔ مفرد جس طرح چہرہ کو پھول سے تشبیہ دیجائے، مرکب جسطرح کہا جائے کہ میدان جنگ مین گرد اُٹھی تو اُسمین تلوارین اسطرح چمکتی تھین جسطرح شب کو ستارے ٹوٹتے ہین۔

مفرد تشبیہ مین چندان جدت نہین ہوسکتی اوّلاً تو اسوجہ سے کہ مفرد چیزون کی طرف ہر شخص کا خیال منتقل ہوسکتا ہے، ثانیاً مدت سے شعرا، اور اہل قلم اس قسم کی تشبیہ سے کام لے رہے ہین، اس لئے عالم قدرت مین جو چیزین تشبیہ کے قابل تھین، اکثر کام مین آچکین، مثلاً چہرہ کو پھول۔ آفتاب، مہتاب، آئینہ، سے تشبیہ دے سکتے تھے، سُو سُو سَو دفعہ دے چکے، اب عالم فطرت مین کوئی نئی چیز پیدا ہو تو چہرہ کی تشبیہ مین بھی جدت پیدا ہو۔

البتہ مرکب تشبیہ مین ہر وقت جدت پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ اول تو ترکیب کی ہزارون صورتین ہین، دوسرے یہ کہ چند اشیا کی ترکیب سے جو مجموعی ہیئت پیدا ہوتی ہے اُس کی طرف ہر شخص کا خیال نہین منتقل ہوسکتا۔

ایک نکتہ اور سمجھ لینے کے قابل ہے تشبیہ کی اصلی خوبی یہ ہے کہ مشبّہ کی تصویر آنکھون مین پھر جائے او نیچرل شاعری مین جیساکہ قدماے عرب کی شاعری تھی، تمام تشبیہین اسی قسم کی ہوتی تھین، لیکن ایک مدت سے ایشیائی شاعری، نیچرل حالت سے دور پڑ گئی ہے اس لئے آج اس قسم کی تشبیہات کا ڈھونڈنا بیفائدہ ہے، تاہم تشبیہ کی خوبیان جسقدر میر انیس صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین، اُردو زبان مین ان کی نظیر نہین

مل سکتی، اُنکی تشبیہات مین جو خصوصیات ہین اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اکثر تشبیہات مرکب ہین۔

(۲) اکثر تشبیہات قریب الفہم اور سریع الانتقال الی الذہن ہین، اور یہی تشبیہ کا بڑا کمال ہے۔

(۳) علماے معانی نے لکھا ہے کہ تشبیہ کی غرض کبھی مُشبّہ کی رفعت اور حُسن، اور کبھی تحقیر اور ذلت، اور کبھی رعب و ہیبت ہوتی ہے، یہ باتین میرانیس کی تشبیہات مین کمال کے درجہ پر پائی جاتی ہین، مثلاً حضرت عباس پر جب ہر طرف سے برچھیان چلنے لگی ہین تو اس حالت کو اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

یون برچھیان تھین چار طرف اُس جناب کے	جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

برچھیون سے زخمی ہونا شکست اور مغلوبیت کی حالت ہے اس لئے اس کے بیان کرنے سے ذلت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس تشبیہ نے حالت بدل دی۔

یا مثلاً جب حضرت عباس کے دونون ہات تلوار سے کٹ گر گر پڑے اور اُنہون نے مشک کو دانتون سے پکڑ لیا تو اس حالت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

ع مشکیزہ تھا کہ شیر کے مُنہ مین شکار تھا

مشکیزہ کا مُنہ مین لینا ایک بدنما صورت ہے، لیکن اِس تشبیہ نے بدنمائی کے بجائے شان پیدا کردی

یا مثلاً جب تمام اہل بیت ایک ہی رسی مین قید کیے گئے ہین تو اس حالت کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جسطرح رشتۂ گلدستہ مین، گلہاے چمن

رسی مین باندھا جانا اور وہ بھی ایک ہی رسی مین، بظاہر نہایت ذلت نما حالت تھی لیکن تشبیہ نے بدنمائی کو حُسن سے بدل دیا۔

یا مثلاً یہ شعر ؎

مقتل مین کیا ہجوم تھا اُس نور عین پر	پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

یا مثلاً اُن اشعار مین تشبیہ سے دشمن کی ہیبت اور بدنمائی پیدا کی ہے ؎

کھنچی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال مین	پکڑا ہے پیل مست کو وہے کے جال مین

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا ؎

سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب	تنور گرم تھا شکم خانمان خراب
جوشِ غضب سے سرخ ہوئی چشم نابکار	مثل تنور مُنہ سے نکلنے لگا بخار

(۴) محسوسات سے جو تشبیہ دیجاتی ہے نہایت عمدہ خیال کیجاتی ہے، کیونکہ محسوسات رات دن محسوس ہوتے رہتے ہین، اس لیئے اُن کے ذکر کے ساتھ فوراً اُن کی صورت ذہن مین آجاتی ہے اور اس لیئے مُشبّہ کی تصویر بھی آنکھون مین پھر جاتی ہے، اس قسم کی تشبیہات میرانیس کے ہان کثرت سے ہین مثلاً بھاگڑ اور اضطراب کا بیان، ؎

یون روح کے طائر تن وسر چھوڑ کے بھاگے	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

تلوار کی تعریف ؎

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آکے اوج سے	پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سنان	غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

یا مثلاً دو حریف برچھیون سے ایک دوسرے پر وار کر رہے ہین اور برچھیون کی انیان باہم ٹکراتی ہین ع

ع دو سانپ گُتھ گئے تھے زبانین نکال کے

اسی حالت کی ایک اور تشبیہ،

ع شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین۔

تعزیہ خانے مین لوگون کا سیاہ ماتمی لباس، ؎

مردم سیاہ پوش ہین سب اور گھر سفید	جیسے بیاضِ چشم اِدھر اور اُدھر سفید

حضرت علی اکبر کا چھوٹا سا نیزہ، دشمن کے بھالے سے ٹکراتا ہے،

ع غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا۔

غیظ اور غضب کی حالت، ؎

یون غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو		جس طرح ٹوک دے، کوئی غصہ مین شیر کو

ڈھال پر تلوار کو آسانی سے روک لینا، ؎

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو		جس طرح روک لے کوئی شہزور پھول کو

خزان کے موسم مین پتون کی حالت،

ع پتے برنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے۔

(۵) بعض جگہ تشبیہ سے مبالغہ مقصود ہوتا ہے، اس قسم کی تشبیہین میر صاحب کے ہان نہایت اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہین، اگرچہ فی الحقیقت اُن سے تشبیہ کی اصلی غرض نہین حاصل ہوتی کیونکہ مبالغہ خود ایسی چیز ہے جو اصلیت سے دور کردیتی ہے۔

گرمی کی شدت کا بیان، ؎

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان		انگارے تھے حُباب، تو پانی شررفشان تہ مین تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

اب ہم چند اشعار ہر قسم کی تشبیہ کے ایک جا نقل کرتے ہین، جن سے اندازہ ہوگا کہ میر صاحب نے تشبیہین کیا کیا لطافتین اور نزاکتین پیدا کی ہین ؎

کُہنی سے دونون ہات جدا تن سے سر جدا		ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا

	ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِّ خوش آب تھا		لہرین جو تھین کرن - تو ہر نور آفتاب تھا

ع ہم لوگ زمانہ مین حُباب لب جو ہین ؎

	ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال		سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمین کے بال

ع چلنے مین نیزے کانپتے تھے مثل پاے پیر ؎

	یہ غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو		جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو
گھوڑے کی تعریف	سرعت مین تھا ہرن تو وغا مین ہزبر تھا	ولہ	پستی مین سیل تھا تو بلندی مین ابر تھا
	پھولون کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے	ولہ	تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے
	اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سپاہ کی	ولہ	برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

ع لہراتی ہے کیا نہر مثال سرشکم مار -

ع افلاک ہنڈولے کی طرح تھے تہ و بالا ؎

	یا رب ترا نامِ پاک جپنے کے لئے		گویا اک ہڈیون کا مالا ہون مین
	اڑ کر گری زمین پہ سنان اس تکان سے	ولہ	گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے
	گر میان تھی، تو تیغ دم امتحان نہ تھی	ولہ	یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زبان نہ تھی
	یون جلوہ گر زرہ مین تن سرخ فام تھا	ولہ	گویا بچھا ہوا چمنستان مین دام تھا
	چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین	ولہ	گویا کہ ذو الفقار علی ہے نیام مین
	ناخن نے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا	ولہ	شرما کے مہ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

ع رہوار کیا، ہوا پہ سلیمان کا تخت تھا -

پلکون اور آنکھون کی تشبیہ — ع بیٹھا ہے شیر پنجہ کو ٹیکے ترائی مین ؎

	کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سنان		غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

ع ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

ع کھلتی تھین اور حبابون کی آنکھین جھپکتی تھین۔

جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا
شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا

ع اعدا کا لہو تیغ کی باچھون مین بھرا تھا۔

تلوارین منہ چھپاے تھین سایہ مین ڈھال کے
خنجر بھی رہ گئے تھے زبانین نکال کے

وله
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

گھوڑا

وله
سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر ادھر
ڈھالون کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر ادھر

حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جاے زمین کے جہاز کا

ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب
اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب

تلوار
کڑیون سے یون زرہ کی نکل جاتی تھی شتاب
جس طرح دام سے نکل آتی ہے موج آب
سرکش تھے باد کبر سے جو خانمان خراب
خود اون کے گر کے ٹوٹ گئے صورت حباب

گرمی کی شدت
وله
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

تلوار کی ہیبت
وله
ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر
منہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادھر ادھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر
تھے تہ نشین نہنگ مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانون مین چھالے حباب کے

ع ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش ہ

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا	نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا
خاک اڑتی تھی منہ پہ حرم شیر خدا کے	تھا چین پہ جبین پہ فرش بھی جھونکون سے ہوا کے

صنائع و بدائع

اگرچہ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض صنائع ایسے بھی ہین کہ اگر بے تکلفی سے آجائین تو کلام مین حسن پیدا ہوجاتا ہے لیکن عام حالت یہ ہے کہ اکثر صنائع و بدائع شاعری اور انشاپردازی کا دیباچۂ زوال ہین۔

میرانیس جس زمانے مین تھے، شاعری کا مدار صنائع و بدائع پر رہ گیا تھا، مبالغہ، ابہام اور مناسبات لفظی، یہی چیزین شاعری کا کمال خیال کیجاتی تھین، میرانیس کو انھین لوگون مین رہنا سہنا تھا، انہی سے داد سخن لینی تھی، اور زیادہ سچ یہ ہے کہ انہی کی قدردانی پر معاش اور ضروریاتِ زندگی کا انحصار تھا، ایسی حالت مین کیونکر ممکن تھا کہ وہ زمانہ کی حکومت سے آزاد رہتے، وہ جانتے تھے کہ جس شاعری کو وہ زندہ کرنا چاہتے ہین صنائع و بدائع اسکے چہرہ کے داغ ہین، لیکن انہون نے مجبوراً اسکو گوارا کیا، یہ صرف قیاس نہین بلکہ مستند اور صحیح روایت سے ثابت ہے، میرے ایک معزز دوست نے خود میرانیس سے پوچھا کہ کیا آپ لفظی رعایتون اور صنائع و بدائع کو پسند کرتے ہین، انہون نے جواب دیا کہ "نہین، لیکن آخر لکھنو مین رہتا ہے"، تاہم میرانیس نے یہ کیا کہ جو صنعتین محض لغو تھین مثلاً صنعت اہمال اور لزوم مالایلزم وغیرہ وہ نہایت کم برتین اور جسقدر برتین ان سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ اس جولانگاہ مین بھی وہ بھی حریفون سے پیچھے نہین، باقی صنعتون کو انہون نے اس طرح برتا کہ کلام کی اصلی خوبی یعنی برجستگی۔ صفائی اور سادگی مین فرق نہ آنے پائے۔ ہم اُن تمام صنعتون کی کچھ کچھ مثالین نقل کرتے ہین جو میر صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین۔

ابہام ، کے یہ معنی ہین کہ ایک لفظ کے دو معنی ہون، ایک معنی مراد ہون، اور دوسرے معنی مراد نہون، لیکن مقدم اور مؤخر الفاظ سے اسکو مناسبت ہو، مثلاً ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون؛

رنگ کے دو معنی ہین، ایک تو وہی معمولی رنگ، دوسرے، طرح - قسم - طرز - یہان یہی پچھلے معنی مراد ہین، یعنی پھول کے مضمون کو مین سو طرح سے باندہ سکتا ہون، یہان پہلے معنی مراد نہین، لیکن گل سے اسکو مناسبت ہے، یہ صنعت اگر بیساختگی اور بے تکلفی سے برتی جائے تو کلام مین نہایت حسن پیدا ہو جاتا ہے، قدما مین یہ صنعت بالکل متروک تھی، **سلمان ساوجی** نے اسکی ابتدا کی اور اس مین نہایت غلو کیا تاہم اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے بھی استعمال کیا ہے -

سلمان کے بعد خواجہ حافظ کے کلام مین کہین کہین اسکا پتہ لگتا ہے، لیکن پھر کسی نے اسکی طرف توجہ نہین کی، اُردو مین ابتدا ہی سے اسکی طرف میلان رہا، میر انیس کے زمانہ تک اسکو رواج عام ہو چکا تھا، اور یہ صنعت مضمون بندی کی ایک بڑی عمدہ صنعت خیال کی جاتی تھی، میر انیس صاحب نے بھی عوام پسندی کی بنا پر یہ صنعت نہایت کثرت سے برتی ہے، لیکن اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، چند مثالین ذیل مین درج ہین ؎

	جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے بچائے	اقلیم سخن میرے ہی قلمرو سے بچائے
	ہر چند کہ ہون خسروِ اقلیم سخن	پر غیر دوات کچھ قلمرو مین نہین
	تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون	قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
	کیا خوب ان کو مہر یہ کر روک ٹوک ہے	نیزہ نہین جو پاس تو اس مین بھی نوک ہے
تلوار کی زبان سے	بت توڑ دیے ہین جو سوے دیر گئی ہون	خندق کو تو دوبا تہ مین ہمت پیر گئی ہون

ع چلائی تھین یہ بیان کہ شہ اجان بچایئے، (جان جن کو بھی کہتے ہین)

ع دم اور بڑہ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے، (دم خون کو بھی کہتے ہین)

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، (دم تلوار کی باڑہ کو بھی کہتے ہین) ؎

ڈھالون کا دور برچھیون کا اوج ہو گیا	ہنگامِ ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

کچھ گل فقط نہ کرتے تہے رب علا کی مدح		ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح	
کم نہ کچھہ مرتبہ آل عبا ہوے گا	ولہ	عاصیون کا اسی پردہ مین بہلا ہوئیگا	

ع اک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا،

ع غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی،

ع سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی،

ع ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھہ جسکی حد نہین، (حد گناہ کی سزا کو بھی کہتے ہین)

ع دریا لہو کا بہہ گیا چار ہاتھہ مین، ۵

پیدل مین تھی نہ جان، نہ دم تھا سوار مین		ٹوٹی ہوئی صفین تھین بہلا کس قطار مین
ایسا کوئی طفلی مین نمودار نہ ہوگا	ولہ	بات ایسا تو جعفر کا بھی طیار نہو گا
اللہ رے سخن کی تیرے تاثیر انیس	ولہ	رو دیتے ہین مثل شمع جلنے والے
آکر بزم عزاے شہ مین رونا	ولہ	ہر آنکھہ پہ فرض عین ہو جاتا ہے

ع حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجے، (عربی مین رویا کے معنی خواب کے ہین)

ع چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین، (کام فارسی مین تالو کو کہتے ہین)

ع آب بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہین،

مبالغہ، قدما کے نزدیک مبالغہ اس حد تک ممدوح تھا کہ کسی وصف کو ایک لطیف پیرایہ مین معمولی حالت سے کچھہ بڑھ کر بیان کیا جائے، لیکن جب حد سے بڑھا تو عیب اور نقص ہو گیا، فن بلاغت کے امام، ابن قدامہ نے نقد الشعر مین اسکی مثال مین ابونواس کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے۔

یا امین اللہ عش ابدا، ــــ اے خدا کے امین! تو ہمیشہ زندہ رہ،

امام موصوف نے لکھا ہے کہ کسی شخص کا ہمیشہ زندہ رہنا ناممکن ہے، اس لئے یہ مبالغہ معیوب

اور قبیح ہے شعراے عرب، اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہتے تھے تو پہلے امکان کی شرط لگا دیتے تھے، یعنی اگر یہ ممکن ہوتا تو یون ہوتا، ابو تمام کہتا ہے ؎

ولو انّ مشتاقا تکلف فوق ما ... فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر کوئی مشتاق اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کر سکتا، تو ممبر خود تیرے پاس چلا آتا، لیکن عرب مین بھی جب تکلف، اور تصنع زیادہ بڑھا اور صحیح مذاق مفقود ہوگیا تو مبالغہ کی یہی خوبی رہ گئی کہ مستبعد اور ناممکن ہو، اور جس قدر زیادہ ناممکن ہو، اسی قدر زیادہ اسکا کمال ہے، اب یہ حالت پہونچ گئی کہ سودا گھوڑے کی تعریف مین کہتے ہین ؎

روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو ... پھینکدے لیکے کبھی مشرق سے تو غرب تلک

اتنے عرصہ مین پھر آے تو اسے باور کر ... عکس بھی آئینہ سے ہونے نپاے ُ منفک

ق

میر انیس کے زمانہ مین، مبالغہ کمال کی حد کو پہونچ چکا تھا اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب تک مبالغہ مین انتہا درجہ کا استبعاد نہین ہوتا تھا، سامعین کو مزا نہین آتا تھا، مجبوراً میر صاحب نے بھی وہی روش اختیار کی لیکن چونکہ ان کی اصل فطرت مین سلامت روی اور اعتدال تھا، اس لیے اس میدان مین وہ اپنے حریف مرزا دبیر سے بہت پیچھے رہ گئے، اور یہی بات ہے جسکی بنا پر اُن کے حریف کہتے ہین کہ وہ خیال بندی اور مضمون آفرینی مین مرزا دبیر کا مقابلہ نہین کر سکتے۔

بہر حال ان کے مبالغہ کا نمونہ یہ ہے، گرمی کی شدت کے بیان مین لکھتے ہین ؎

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تپ ... کالا تھا رنگ دہوپ سے دن کا مثال شب

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوے تھے لب ... خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

سرخی اُڑی تھی پھولون سے، سبزی گیاہ سے

سایہ کنوین مین اُترا تھا پانی کی چاہ سے

آب روان سے مُنہ نہ اُٹھاتے تھے جانور ... جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر

مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر — خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑ جائین لاکھ آبلے پائے نگاہ مین

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب — چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب — کا نور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

شیر اُٹھتے تھے نہ خوف کے مارے کچھار سے — آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے — گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان — انگارے تھے حُباب، تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان — تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

گھوڑے کی تعریف

اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر — ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر
گل کی طرح اشارے مین سو بار پھیر لو — بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے مین شکل گنبد دوار پھیر لو — نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو

دوڑے بروئے آب تو پُتلی بھی تر نہو

قدم

آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہو

حُسن التعلیل، یہ ایک لطیف صنعت ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے، جو درحقیقت اسکی علت نہین، مثلاً ؎

بھلائی جو کرے دنیا مین ہووے وہ پامال	لسان جادہ کسیکو تو راہ مست بتلا

جادہ یعنی راستہ پامال ہوتا ہے، شاعر اسکی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ راستہ لوگون سے بھلائی کرتا ہے اس لئے پامال ہے، یہ ایک قسم کی تخییل ہے اور اس لحاظ سے یہ صنعت عین شاعری ہے کیونکہ شاعری درحقیقت تخییل کا نام ہے، اس صنعت مین اسوقت زیادہ لطافت پیدا ہو جاتی ہے جب وہ وصف بھی جسکی علت بیان کرنی ہے تخییل پر مبنی ہو مثلاً میر انیس کا یہ شعر، ؎

ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب	اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب

موجون کے اضطراب، اور حباب کے سر چھپانے کی علت، ڈر اور خوف کو قرار دیا ہے، لیکن موج کا اضطراب، اور حباب کا پانی مین سر چھپانا، خود کوئی واقعی چیز نہین، بلکہ شاعر نے موج کی حرکت کو اضطراب قرار دیا ہے اور حباب جو ٹوٹ جاتا ہے، تو اسکو فرض کیا ہے، کہ اس نے پانی مین منہ چھپا لیا، اس صنعت کو میر انیس نے اکثر جگہ نہایت خوبی سے برتا ہے،

گرمی کی شدت

ع تیغین برہنہ ہوگئی تھین چوم کر نیام، ؎

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی	ولہ	ساحل سے سر ٹپکتی تھین موجین فرات کی
یہ سُن کے تہلکہ صفت اعدا مین پڑ گیا ہر غول مین علم سے علم جھک کے لڑ گیا	ولہ	ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا جو رہ گیا نشان وہ خجالت سے گڑ گیا
ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے	ولہ	تیغین بھی نیامون مین چرا تھین دم اپنے
تھم گیا، طبل وغا کی بھی، وہ آواز کا جوش	ولہ	ہو گیا جوڑ کے ہاتھون کو جلاجل خاموش

ع اکبر سے بھی وغا مین کچھ آگے بڑھی رہی، (حضرت علی اکبر کی تلوار کی تعریف) ؎

ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر	مونہہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن اِدھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر	تھے تہ نشین نہنگ، مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانون مین چھالے حباب کے

خاک اُڑتی تھی مونہہ پر حرم شیر خدا کے	تھا چین بجبین فرش بھی جھونکون سے ہوا کے

ع ڈھالون کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھین پس پشت،

صنعت طباق، یعنی دو متضاد یا مقابل چیزون کو یکجا جمع کرنا، میر انیس نے اس صنعت کو اکثر برتا ہے اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ برتا ہے۔

ع کھلتا نہین کچھ آپ نے کیون باندھے ہین ہتیار، ؎

ہات باندھے ہوے ہون مین لے عقدہ کشا اونچی		پانون لغزش مین ہین لے دست خدا اونچی
میری قدر کر اے زمین سخن	ولہ	کہ مین نے تجھے آسمان کر دیا
یہ فصل اور یہ بزم عزا یادگار ہے	ولہ	پیری کے ولولے ہین خزان کی بہار ہے

ع گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے، ؎

استادہ آب مین یہ روانی خدا کی شان	پانی مین آگ آگ مین پانی خدا کی شان

ع بانو! یہ رہے یاد ہمین بھول نجانا،

ع فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر، ؎

پانی نہ تھا وضو جو کرین وہ فلک مآب	پر تھی رخون پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند	مشکل کشا کے لعل نے کھولے تمام بند

ع تو عالم و دانا ہے کہین ہیچمدان ہون،

ع ثابت ہوا کب صف اول ہوئی آخر،

ع پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور،

ع قرآن مین کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہین ہے

پیچھے کبھی قافلہ سے رہنا نہ انیس	اے عمر دراز! تیری کوتاہی ہے

ع نیزون سے کہین عقد کشا بند ہوا ہے،

۵ مراعات النظیر یعنی الفاظ کی رعایت، یہ وہی صنعت ہے جو آج عوام شعرا کا سرمایۂ کمال ہے، اور جسکو مہذب ضلع جگت کہہ سکتے ہین، امانت لکھنوی، اس شریعت کا پیغمبر ہے، اسکے مصحف کمال کی ایک آیت یہ ہے،

ع بھیڑے ملتے ہین آنکھین تری گرگابی پر،

منشی امیر احمد صاحب مرحوم فرماتے ہین، ے

کبوتر ہوتا تھا جانے پہ راضی	تو بھیجا اُسے روغنِ قاز مل کر

چونکہ عوام کی تسخیر کا سب سے چلتا جادو یہی صنعت ہے، اور چونکہ لکھنو کی شاعری کے رگ و پے مین یہ صنعت سرایت کر گئی تھی، اس لئے میر انیس صاحب کے ہان بھی اسکی بہتات ہے، لیکن اتنی احتیاط ہے کہ ابتذال نہین آنے پاتا اور بعض جگہ تو واقعی اس سے لطف پیدا ہو جاتا ہے، فارسی شعرا نے بھی اسکو برتا ہے لیکن نہایت فصاحت کے ساتھ۔ مثلاً ے

خواجہ حافظ	تا دلِ ہرزہ گرد من رفت بچینِ زلفِ او	زان سفرِ دراز خود قصد وطن نمی کند
سلمان	چشم بیمار ترا عین بلا مے بینم	لیکن ابروے تو چیزیست کہ بالاے بلاست

بہرحال میر انیس کی صناعی کے یہ نمونے ہین ے

جب تک یہ چمک مہر کی پرتو سے بچائے		اقلیم سخن میری قلمرو سے بچائے
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری	ولہ	پھل ہم کو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری

ع آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے، (تلوار کی زبان سے)

ع کیا مورچہ بندی تھی سپاہ قتل سلیمان، ۵

اصغر سے اگر اکبر جہر و نہ ملے گا		تم ہات سے جاؤگے تو بازو نہ ملے گا
فرماتے تھے حسین کہ او خانماں خراب	ولہ	دریا کو خاک جانتا ہے ابن بوتراب

ع آب بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہیں،

ع یہ پھول کربلا کے بسانے کو آئے تھے،

ع کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی، (تلوار) ۵

خالی نہ گیا وار کوئی تیغ دو سر کا		ہات اٹھ گئے گر پانوں بچا کر کوئی سر کا
اس ضعف میں لغزش سے نہ وہ پانوں تھے اٹھا	ولہ	پایا تھا ثبات قدم پاسے ید اللہ
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا		سے چلیئے اب چوبدار مرگ آیا ہے
کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے		کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

ع تہ میں تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جان،

ع کافر جو تھا تو ہات بھی مارا جنیو کا، ۵

اب تک یہ لڑائی کے نہیں ڈھنگ سے واقف		دونوں میں نہیں ایک بھی جو رنگ سے واقف

ع سب فوج کی تیغیں تھیں اور اک شاہ کا دم تھا، ۵

لف و	والیل والضحیٰ، رخ روشن خط سیاہ		لعل وغزال وگل، لب و رخسار و چشم شاہ
نشر	ابرو و زلف و رخ شب قدر و ہلال و ماہ		تیر و سنان و زرہ مژہ و سرمہ نگاہ

چھپتی تھین بھاگی جاتی تھین گرتی تھین خاک پر — قبضون سے تیغین جسم سے روحین تنون سے

تفصیل کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر — پہچون سے ہاتھہ شانون سے بازو تنون سے سر

قبضہ سے تیغ ابر سے زرہ ہات سے سپر — برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر

مہملہ وہ طاہر واطہر ہوا گر معرکہ آرا — معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا

آگاہ ہو کس طرح کہو عمر کو مارا — صمصام کا اک وار ہو اکس کو گوارا

واللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو اُس دم ہوس ملک عدم ہو

کس کا اسد اللہ سا ہوا والد مرحوم — حلال مہم مالک کل طاہر و معصوم

صدر دو سرا رحم دل و سرور مهموم — آسودہ ہر اک سالک و گمراہ محروم

معصوم کا دلدار ہو سالار امم ہو
اولاد کا اس عالم و عادل کا الم ہو

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار — اس طرح کا عالم کا مدد اور مددگار

وہ مصدر الہام احد محرم اسرار — وہ اصل اصول کرم داور داد ار

حاصل - اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا

تلمیع - میر صاحب نے اس صنعت کو نہایت خوبی سے برتا ہے، وہ عربی فقرون کو اس خوبی سے اشعار مین لاتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے ؎

حر پکارا بابی انت وامی یا شاہ — قابل عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ

ع اے خداوند جہان خذ بیدی خذ بیدی ۔

انصاف کا اس وقت طلبگار ہون تم سے		ہے کون مراد آیہ لا اسئلکم سے
انھی رانڈون مین ہے اک دختر فرزند نبی	ولہ	خوگر سینہ دلبند رسول عربی
آفت فاقہ کشی بے پدری تشنہ لبی		دمبدم لب پہ یہ ہے این ابی این ابی
حامی ہی سبکا کون حیات و ممات مین	ولہ	کسکی ثنا ہے سورہ والعادیات مین
کسکے لئے اکملت لکم دینکم آیا		اتممت علیکم کا ملا ہے کسے پایا
ہے انفسنا انفسکم کس سے اشارا		اللہ نے کس گھر مین ستارے کو اتارا

انسانی جذبات یا احساسات

"یہان تک جن محاسن کلام کا ذکر ہوا، وہ شاعری سے نہین، بلکہ بلاغت سے تعلق
رکھتے تھے، شاعری جس چیز کا نام ہے، اسکی بحث اب شروع ہوتی ہے"

یہ شاعری کی اصل روح وروان ہے، اور اگر مل صاحب کی راے تسلیم کی جاے تو صرف اسی چیز کا نام شاعری ہے، شاعری درحقیقت مصوری ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ مادیات اور محسوسات کی تصویر کھینچنا اسقدر دشوار نہین جسقدر غیر محسوسات، اور غیر مادی اشیار کا نقشہ اُتارنا مشکل ہے - ایک درخت کی تصویر کھینچنی ہو تو کسی قسم کی تخیل اور دیدہ وری کی ضرورت نہین - ٹہنیان - پھل - پھول - پتّے - سب سامنے ہین، اور ہر شخص ان کو محسوس کرسکتا ہے - مصور کا صرف یہ کمال ہے کہ ہر چیز کا پورا نقشہ کھینچدے - لیکن رنج - غم - جوش - محبت - غیظ - بیقراری - بیتابی - مسرت - خوشی، محسوس اور مادّی چیزین نہین ہین - آنکھ ان کو محسوس نہین کرسکتی - البتہ دل پر اُن کا اثر ہوتا ہے - لیکن یہ اثر سب پر یکسان نہین ہوتا - اس لئے انکی ہو بہو اور اصلی تصویر اُتارنا، مشکل ہے -

میرانیس کا اصلی جوہر یہین آکر کھلتا ہے اور یہین اُنکی شاعری کی حد اُن کے ہمعصرون سے بالکل الگ ہوجاتی ہے۔ انسانی جذبات کی سیکڑون قسمین ہین۔ اور پہر ہر ایک کے مختلف مراتب اور مدارج ہین۔ مثلاً جذبات انسانی کی ایک قسم محبت ہے۔ لیکن محبت کے بھی مختلف اقسام اور مدارج ہین۔ باپ بیٹے کی محبت۔ بہائی بہائی کی محبت۔ یار آشنا کی محبت۔ آقا اور غلام کی محبت وغیرہ وغیرہ۔ میرانیس کے مرثیون مین نہایت کثرت سے ان جذبات، اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے، لیکن جس جگہ، جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھ اسکی تصویر کھینچی ہے کہ اسکا پورا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے۔

مثال ۱۔ حضرت امام علیہ السلام نے مدینہ سے جب سفر کیا تو تمام کنبہ ساتھ تہا۔ لیکن حضرت صغراؑ چونکہ بیمار تھین، اس لئے انکو ساتھ نہین لیا ہے۔ رخصت کے وقت جب گھر مین تشریف لائے تو چاہتے ہین کہ صغرا پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن یہ راز کب چھپ سکتا تھا۔ بہرحال حضرت امام حسینؑ خود صغرا سے رخصت ہونے کیلئے انکے پاس تشریف لے گئے صغرا کو اصرار ہے کہ مین تنہا نہین رہ سکتی، حضرت سمجھاتے ہین کہ تم اس بیماری کی حالت مین کیونکر چل سکتی ہو۔ وہ نہین مانتین۔ اسوقت باپ۔ بیٹی ماں۔ بہائی۔ بہنون پر محبت کا جو اثر ہے، اور جس طرح اسکا اظہار ہوا ہے اسکی تصویر اسطرح کھینچی ہے

یہ کہتی تہی زینب کہ پکارے شہ عادل
تیار ہین دروازے پہ سب ہودج و محمل

طے شام تلک ہوگی کہین آج کی منزل
رخصت کرو لوگو نکو بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقتِ سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہین گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہین ملنے کو آئے
کہدو کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے

نادان سکینہ کہین آنسو نہ بہائے
جانے کی خبر میری نہ صغرا کہین پائے

ڈر ہے کہین گھبرا کے دم اُسکا نہ نکل جائے

باتین کرو ایسی کہ وہ بیمار بہلجائے

سنکر یہ سخن بانو نے ناشاد پکاری
غش ہوگئی ہے فاطمہؑ صغرا مری پیاری

مین لٹتی ہون کیسا سفر اور کیسی سواری
یہ کس کے لئے کرتے ہین سب گریہ و زاری

اب کس پہ ہین اس صاحب آزار کو چھوڑون
اس حال مین کسطرح سے بیمار کو چھوڑون

مان ہون مین کلیجہ نہین سینہ مین سنبھلتا
مین تو اُسے لے چلتی یہ کچھ بس نہین چلتا

صاحب مرے دلکو ہے کوئی ہاتھون سے ملتا
رہ جاتین جو ہینین بھی تو دم اُسکا بہلتا

دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرؑا کہ بہن آنکھین تو کھولو
ہم جاتے ہین تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہو لو

کہتی تھی سکینہؑ کہ ذرا مُنہ سے تو بولو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو

تم جنکی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر مین جو ڈھونڈھوگی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہو خواہر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہین مادر

اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگاکر
ہم روتے ہین دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھاکر

افسوس اسی طور سے غفلت مین رہوگی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کروگی

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
مُنہ دیکھ کے بانوؑ کا سخن لب پہ یہ لائے

بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اسکو بچائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر مین
دانستہ مین کیونکر اُسے لیجاؤن سفر مین

کہکر یہ سخن بیٹھہ گئے سید خوشخو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
آنکھونکو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو

ماں سے کہا مجھہ مین جو حواس آئے ہین اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہین اماں

ماں نے کہا ہان ہان وہی آئے ہین مری جان
دیکھو تو ادھر روتے ہین بی بی شہ ذیشان
جو کہنا ہے کہہ لو کہ یہان اور ہے سامان
صغرا نے کہا اُنکی محبت کے مین قربان

وہ کون سا سامان ہے جو یون روتے ہین بابا
کُھل کر کہو کیا مجھسے جدا ہوتے ہین بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیئے باہر
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر
نہ فرش شہ ہے مسندِ فرزندِ پیمبر
اُجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر

کچھہ مُنہ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے اماں
کیا سبطِ پیغمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

شبیر کا منہ تکنے لگی بانوے مغموم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم
صغرا کے لئے رونے لگین زینب و کلثوم
پردہ رہا اب کیا تمھین خود ہو گیا معلوم

تم چھٹتی ہو اسواسطے سب روتے ہین صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہین صغرا

اب شہر مین اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
مین پا بہ رکاب اور ہو تم صاحبِ آزار

پھر آتا ہے وہ گھر مین سفر مین جو ہو بیمار　　تکلیف تمھین دون یہ مناسب نہین زنہار

غربت مین بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہین ایام　　جنگل مین نہ راحت نہ کہین راہ مین آرام
بستی مین کہین صبح تو جنگل مین کہین شام　　دریا کہین حائل کہین پانی کا نہین نام

صحت مین گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہی مجھے انکار　　پانی جو کہین راہ مین مانگون تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہین کرنے کی یہ بیمار　　تپ بند فقط آپ کا ہی شربت دیدار

گرمی مین بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہون درد ہے سر مین　　اف تک نہ کرون بھڑکے اگر آگ جگر مین
جھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر مین　　قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر مین

ہو جاتا خفا راہ مین گر روئے گی صغرا
یان نیند کب آتی ہے جو وان سوئیگی صغرا

وہ بات نہوگی کہ جو بے چین ہون مادر　　ہم صبح مین پی لون گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی مین رہین گے علی اصغر　　لونڈی ہون سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر

مین یہ نہین کہتی کہ عماری مین بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری مین بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ ۔ مین کہہ نہین سکتا تجھے درپیش ہے جو راہ
کھلجائے گا یہ راز بھی گو تم نہین آگاہ ۔ ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہو چاہ

ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہون صغرا
ہے مصلحتِ حق یہی جو کہتا ہون صغرا

اے نور بصر آنکھون پہ لیکر تجھے چلتا ۔ تو مجھسے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا ۔ یہ ضعف کہ دم تک نہین سینے مین سنبھلتا

جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہین سکتا
دانستہ تمھین ہاتھ سے مین کھو نہین سکتا

مُنہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم ۔ چتون سے عیان تھا کہ چلین آپ تو ہے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہین بی بی شہ عالم ۔ میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم

وہ درد ہے جس درد سے چارا نہین صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہین صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسیکا نہین زنہار ۔ سب کی یہی مرضی ہے کہ مرجاے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار ۔ اک ہم ہین کہ ہین سب پہ فدا سب کے ہین غمخوار

بیزار ہین سب ایک بھی شفقت نہین کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہین کرتا

ہمشیر کے عاشق ہین سلامت رہین اکبر ۔ اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر
مین گھر مین تڑپتی ہون وہ ہین صبح سے باہر ۔ وہ کیا کرین برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر

پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے

نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے / مین کون؟ جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے / زلفین جو الجھتین تو سلجھانے کو آتے
کل تک تو مرے حال پریشان پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھکو نہ خبر تھی

مانوس سکینہؑ سے ہین عباسؑ دلاور / مین کون ہون؟ جو میری خبر پوچھتے آکر
سرسبز ہے خلق مین نوبادہ شبیرؑ / شادی مین بلائین مجھے یہ بھی نہین باور
سب دولہا بنے منہ کو چھپاتے ہین ابھی سے
مین جیتی ہون اور آنکھ چراتے ہین ابھی سے

کس سے کہون اس درد کو مین بیکس و رنجور / بہنین بھی الگ مجھسے ہین اور بھائی بھی ہین دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی مین ہون مجبور / ہمراہی بیمار کسیکو نہین منظور
دنیا سے سفر رنج و مصیبت مین لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت مین لکھا تھا

سب بیبیان رونے لگین سن سن کے یہ تقریر / چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیرؑ
لو صبر کرو کوچ مین اب ہوتی ہے تاخیر / منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ / اکبرؑ کو بلاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
آئے علی اکبرؑ تو کہا شاہ نے آؤ / روٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انہیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر ‏ کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی چھاتی پہ منھ رکھکے وہ دلگیر ‏ محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر

صدقے ترے سر پر سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخسار پہ سبزے کے نکلنے کے ہیں صدقے ‏ تلوار لئے شان سے چلنے کے ہیں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے ہیں صدقے ‏ کیوں روتے ہو اشک آنکھوں کے ڈھلنے کے ہیں صدقے

جلد آن کے بنا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

پیارے مرے بیمار مرے مہرو علی اکبرؑ ‏ چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبرؑ
یاد آئیگی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ ‏ ڈھونڈھیں گی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو علی اکبرؑ

دل سینے میں کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہے گا

کیا کرتے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی ‏ کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی
تشریف خدا جانے کب لاؤ گے بھائی ‏ کی دیر تو جیتا نہیں پاؤ گے بھائی

کیا دم کا بھروسا کہ چراغ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بستر نہیں جاتا ‏ صحت سے جو ہیں ان میں کہاں سیر اٹھکانا

بھیّا جو آپ آنا تو مری قبر پہ آنا
ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا

کیا لطف کسی کو نہین گرچہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

مان بول یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکلجاے مری جان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا
کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
وہ کانپتے ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری
اصغرؑ مرا روتا ہے صدا سُن کے تمہاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغرؑ مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی
تپ ہے تمہین چھاتی سے مین لپٹا نہین سکتی
رکھ لون تمہین امان کو بھی بھا نہین سکتی

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

معصوم نے جسدم یہ سُنی درد کی گفتار
لے لے کے بلائین یہ لگی کہنے وہ بیمار
صغراؑ کی طرف ہاتھون کو لٹکا دیا اک بار
جُھک جُھک کے دکھاتے ہو جیسے آخری دیدار

دنیا سے کوئی دن مین گذر جائیگی صغراؑ
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مرجاے گی صغراؑ

مثال ۲- انھی واقعات کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

باتین یہ ابھی تھین کہ شہ بحر و بر آئے ۔۔۔ دیکھا رخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
مان بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے ۔۔۔ روتے ہوئے تشریف شہ دین وہین لائے
بیٹی شہ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اُسکے قریب آکے یہ کہنے لگے حضرت ۔۔۔ بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم مین نہین طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت ۔۔۔ کیون رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ مین جو کراہی تھین تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھین تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت دے تمہین حق یہی بابا کی دعا ہے ۔۔۔ اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے ۔۔۔ کیا جانئے شبیرؑ کی تقدیر مین کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ مین تمہین پاتا ہون صغرا
اس رنج سے مین اور گھلا جاتا ہون صغرا

ایسا سفرِ صعب اور اس طرح کا بیمار ۔۔۔ ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہین راہ مین آزار
کیا نرگسی آنکھون سے نقاہت ہے نمودار ۔۔۔ سب زرد ہے ازمانِ حرارت سے تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہین پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہین پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اُٹھاتی ہو اگر سر ۔۔۔ بی بی کہو محمل مین چڑھا جائے گا کیونکر
گھر مین تمہین پانی کی پھڑک رہتی ہے دن بھر ۔۔۔ پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر ؕ

تم جانے کے قابل نہین مین رہ نہین سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہین سکتا

گھر مین تمھین چھوڑون یہ نہین دل کو گوارا
بچون مین کوئی تمسے زیادہ نہین پیارا
لیجاؤن تو بچنا نہین ممکن ہے تمہارا
مجبور ہون بے ہجر نہین اب کوئی چارا

فرقت مین سدا نالۂ و فریاد کرون گا
اُترون گا جو منزل پہ تمھین یاد کرون گا

صغرا نے کہا آپ کی الفت کے مین قربان
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائیگا سامان
پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دہیان
مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درمان

جس پر نظرِ لطف مسیح دوسرا ہو
برسون کا ہو بیمار تو اک دم مین شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرت
تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

کیون روتے ہو بابا یہ تردد کی نہین جا
پہلے سے کہے دیتی ہون دیتی ہون سے دلاسا
سب سہل ہے کچھ مجکو نہین ہونے کی ایذا
مین خانۂ ویران مین نہین رہنے کی تنہا

اب روح مرے جسم مین گھبراتی ہے بابا
ان باتون سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤنگی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے
صحت مجھے ہو جائیگی حضرت کی دعا سے

اکٹ جائیگا اندوہ سفر فضل خدا سے ۔ بیماری مین جان آگئی جنگل کی ہوا سے

سب ساتھ ہین روؤنگی نہ غم کھاؤن گی بابا
لیٹی ہوئی محمل مین چلی جاؤن گی بابا

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہین آگاہ ۔ مجبور نکلتا ہون مین اس شہر سے واللہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ ۔ بیمار ہو کس طرح سے لیجاؤن تمہین آہ

آزار رسیدہ ہون گرفتار بلا ہون
گھر چھوڑ کے جلادون کی سرحد مین چلا ہون

وہ صعب پہاڑون کا سفر اور وہ کڑے کوس ۔ دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ایک ایک قدم رنج و الم حسرت و افسوس ۔ ہوتا نہین ہر خار کو بھی آکے قدمبوس

آرام کہین راہ مین جانی نہین ملتا
جنگل ہین وہ پرہول کہ پانی نہین ملتا

تھوڑے ہی دنون ہوئیگی کنبے سے جدائی ۔ پردیس سے اگر تمہین لیجائینگے بھائی
کی مجھسے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی ۔ ممکن ہے کہ مین اور نکرون وعدہ وفائی

خوش ہون گا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی
مرجاؤن گا جب مین تو نہ کیا صبر کرو گی

ثابت ہوا صغرا کو یہ کہ اب ہم رہے گھر مین ۔ بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر مین
اک جوش ہوا آنسوؤن کا دیدۂ تر مین ۔ صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر مین

شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اسکو

تھراتی ہوئی اُٹھ کے گری شہ کے قدم پر
کی عرض کہ مرجاؤن گی یا سبط پیمبر
تنہائی مین بابا مرا دل بہلے گا کیونکر
سب بیٹیان ہین کیا مین نہین آپکی دختر
بے آپکے اس گھر مین نہ یا شاہ رہون گی
اچھا مین کنیزون ہی کے ہمراہ رہون گی

سب رونے لگے سُنکے یہ بیمار کی تقریر
چلائی سکینہؑ کہ مین صدقے مری ہمشیر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرت شبیرؑ
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوے دلگیر
کم سن ہین مسافر مجھے تشویش بڑی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل ہی کڑی ہے

یہ سنتے ہی بس مان کی تو چھاتی اُمنڈ آئی
چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
زینبؑ نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی
مرجانے سے کچھ کم نہین صغراؑ کی جدائی
گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانیے کیا ہو

آغاز سفر مین تو یہ ماتم ہے یہ کہرام
کیا دیکھیں دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہان راحت و آرام
مان روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام
بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہو بر مین
بھولے گی نہ وہ چھوڑینگے اکیلا جسے گھر مین

صغراؑ نے کہا آپ کی باتون کے مین قربان
تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپھی جان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آسان
جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین

اماں تو سفارش بھی ہماری نہیں کرتیں

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں وہ جائینگی ہمراہ
بابا کو نہ ماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ

کیا انس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بچھڑے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
میں قبر میں جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار
زندہ ہوں پہ مردے کی طرح ہوگئی دشوار

ہے کونسی تقصیر کہ سب ہوگئے بیزار
کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
چھوڑا اب مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا

ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
کیا خوب مرے نخل تمنا میں پھل آیا

دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے میں نہیں کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں اے وائے

میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے
کہنے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے

بیماری مزمن میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں رونے سے اتر جائیگی یہ تپ
تڑپونگی تو جائیگی یہ اعضا شکنی سب

ہاں درد بھی سر میں مرے ہوویگا نہیں اب
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب

کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن مین +
غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن مین

تنہائی مین شدت بھی نہوگی خفقان کی
تڑپونگی نہ فرقت مین امامِ دوجہان کی

بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکان کی
شفقت مجھے یاد آئے گی بہنون کی نہ مان کی

فرقت مین مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
مین گھر مین نہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہین کرون کسکی شکایت
چھوڑا ہمین بس دیکھ لی امان کی محبت

بابا کی یہ تقریر ہے بہنونکی یہ صورت
بولین نہ پھوپھی جان بھی کچھ واہ ری قسمت

فرقت کا الم مرے کلیجہ کو چھری ہے
سب اچھے ہین لوگو مری تقدیر بری ہے

عاشق مرے مشہور ہین بھیا کے مین واری
قاسمؑ کو غرض کیا جو سکینہ گریہ و نہ ری

دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
مین کون ہو سکینہؑ ہے چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

اُسوقت محبت مری ہوجائے گی خالی
لو مرگئی کہنے کی جو تھی چاہنے والی +

جب راہ مین خط پڑھ کے کہین گے شہ عالی
آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہوگیا خالی

قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر مین
وہ قبر مین سوئی جسے چھوڑ آئے تھے گھر مین

پھر ہم نہین ملنے کے کوئی لاکھ ہو جویا
سب رو کے کہین گے کہ اُسے ہاتھ سے کھویا

عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر مین سویا
کیا نفع اُسے کوئی کڑھا یا کوئی رویا

پرسے کے لئے جمع ہوے لوگ تو پھر کیا
پردیس مین کسنے رکھا سوگ تو پھر کیا

یان ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبرؑ
سرخ آنکھین تھین اور زرد تھا غم سے رخ انور
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر
اس سینے کے ان ہاتھونکے قربان یہ خواہر

فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمین تمسے جدا کرتی ہے بھائی

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ
وہ دن ہون کہ پھر خیر سے اس شہر مین آؤ
ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمین پاؤ
صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ کئے جاؤ

عرصہ ہو تو خط لکھکے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ مین مجھکو نہ بھُلا دیجیو بھائی

رونے کا اودھر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری
تیار ہے ناموس محمد کی سواری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری
کیا دیر ہے اب آئے یداللہ کی پیاری

ہر بار قناتون کے قریب آتے ہین عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہین عباسؑ

شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہین صغراؑ
جلد آتے ہین یا خود تمھین بلواتے ہین صغراؑ
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہین صغراؑ
جان اپنی نہ کھونا تمھین سمجھاتے ہین صغراؑ

قربان پدر آب و غذا ترک نہ کیجیو
بڑھ جائیگا آزار دوا ترک نہ کیجیو

بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم — ناموس محمدؐ بھی چلے ساتھ بصد غم
صغراؑ بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم — ہمسائیاں باندھے ہوئے تھیں حلقۂ ماتم
راحت تھی جو سب کو شہ ذیجاہ کے دم سے
اک پیٹتی تھی ایک لپٹتی تھی قدم سے

غل تھا شہ ابرار خدا حافظ و ناصر — رانڈون کے مددگار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر — محتاجون کے غمخوار خدا حافظ و ناصر
دکھ فاقون کی غربت کے الم کس سے کہینگے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہینگے

صغراؑ کو نقاہت سے نہ تھی طاقت رفتار — اُٹھی کبھی بار اور گری در پہ کبھی بار
جس ناقے پہ تھی بانوے ناشاد دل افگار — اُس ناقے کے پاس آ کے یہ چلائی وہ بیمار
قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
امان مجھے اصغرؑ کو پھر اک بار دکھا دو

مضطر ہوئی سُنکر یہ سخن بانوے بے پر — پردے سے جگر بند کا مُنہ کر دیا باہر
بیٹی سے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھکر — لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغرؑ
مُنہ زرد ہے رخسارون پہ آنسو بھی بہے ہین
یہ نرگسی آنکھون سے تمہین دیکھ رہے ہین

تھراتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری — اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کی مین واری
آخر کوئی دن مین ہے بس اب موت ہماری — بھیا نہین جینے کی مین فرقت مین تمھاری
جب آکے پھر اس جھولے کو آباد کروگے

تم بھی مری گودی کو بہت یاد کروگے

عباسؑ سے شہ نے کہا اے ثانی حیدر
مرجائیگی اب فاطمہ صغرا مری دختر
عمالون سے کہدو کہ بڑھین اونٹون کو لیکر
اسوار یون کے ساتھ رہین قاسم و اکبرؑ

احباب جو روتے ہین تو غم کہاتے ہین ہم بھی
سب شہر کے ناکے پہ پہنچین آتے ہین ہم بھی

مثال ۳ - حضرت علی اکبر کی رخصت اور باپ مان کی حالت سے

سونو مرنے کو ہمشکل نبیؑ جاتا ہے
دولت بانوؑ بیکس پہ زوال آتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے مین تھراتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے

مان تڑپتی ہے شہ جن و بشر روتے ہین
کس جوان بیٹے سے مان باپ جدا ہوتے ہین

بیٹا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد
ہوتی ہے دولت فرزند پیمبر برباد
کرتے ہین اپنی جوانی علی اکبرؑ برباد
جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد

داغ اولاد ہے یان صبر کا مقدور نہین
پہلے فرزند سے مرجائین تو کچھ دور نہین

ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے
گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اوجیالا ہے
تفرقہ چرخ ستمگر نے عجب ڈالا ہے
کیا کرین صبر کلیجہ بھی تہ و بالا ہے

دل کی بیتابی ہر اک آن سوا ہوتی ہے
روح مان باپ کے قالب سے جدا ہوتی ہے

داغِ اولاد نہین آہ اُٹھایا جاتا
ایسا بیٹا نہین ہاتھون سے گنوایا جاتا

درد وہ ہے کہ زبان پر نہین لایا جاتا
زخم وہ ہے کہ جگر پر نہین کہایا جاتا

داغ فرزند حسینؑ ابن علیؑ سے پوچھو
نوجوان بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

سوچین سب صاحب اولاد کہ کیا مشکل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گہائل ہے
تا کجا صبر کہ ماں باپ کا آخر دل ہے
زخم اکبرؑ نے نہین کہائے یہ ماں بسمل ہے

پار جب سینے سے برچہی کی انی ہووے گی
کیا غضب ہووے گا کیا سینہ زنی ہووے گی

باندہتا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم
شان سے شانے پہ رکہتا ہی کمان وہ ضیغم
تیغ سجتا ہے پسر باپ کے دم مین نہین دم
تیر غم لگتے ہین مادر کے جگر پر پیہم

تن پہ چار آئینہ سجنے کا وہان سامان ہے
چار پارا ہے جگر ماں کا پدر حیران ہے

واقعی دولت اولاد عجب دولت ہے
نوجوان بیٹے کا مرنا ہی بڑی آفت ہے
اسکو راحت ہے تو ماں باپ کو بہی راحت ہے
زندگی تلخ ہے پہر جینے کی کیا لذت ہے

اسکا دل دیکہو چہٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بہی تو ہمشکل نبیؐ سا بیٹا

ہین حسین ہیگتی اٹھارہ برس کا ہے سن
رنج مین کاٹی ہین دکہ درد کی راتین گن گن
منتین مانی ہین مادر نے مرادون کے ہین دن
پالنے والی کو چین آئیگا کیونکر اس بن

ماں کو حسرت ہے دولہن بیاہ کے گہر لانے کی
فکریان ہین جوانی مین ہے مرجانے کی

ماں کو منظور ہے جاوے نہ کہیں نورِ نظر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر
باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برابر کا پسر
سیدھی ہو سکتی نہیں خم ہوی جاتی ہے کمر
بھائی کے واسطے قاسم کی دلہن روتی ہے
پکڑے دامانِ قبا چھوٹی بہن روتی ہے

رن کو جانے کیلیئے بانو کے جائے ہیں کھڑے
شوق سے ہے جنگ کا ہتیار لگائے ہیں کھڑے
ہاتھ جوڑے ہوئے گردن کو جھکائے ہیں کھڑے
ماں سے مرنے کیلیئے آنکھ چرائے ہیں کھڑے
شاہ خاموش ہیں پر بول نہیں سکتے ہیں
کبھی بانو کا کبھی بیٹے کا منہ تکتے ہیں

دل سے فرماتے ہیں یہ دیکھیے اب ہوتا ہے کیا
بانو دیتی ہے کہ بیٹے کو نہیں دیتی رضا
صبر کی جا نہیں ہوتا ہے پسر ماں سے جدا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مرجانے کی جا
جسم کانپے گا قلق ہوگا غش آجائے گا
حرفِ رخصت کا نہ بانو سے سنا جائے گا

بانو کہتی ہے کہ کیا کہتے ہیں اکبر یا شاہ
انکے جو دل میں ہے کچھ آپ ہیں اس سے آگاہ
دیکھتی ہوں میں کہ حضرت کی بھی حالت ہے تباہ
ماجرا کیا ہے یہ کچھ مجھسے تو کہیئے للہ
منہ سے کچھ کہتے نہیں پاسِ ادب کرتے ہیں
کون سی چیز ہے جو ماں سے طلب کرتے ہیں

شاہ فرماتے ہیں بانو سے کہ اے نیک نہاد
رازداں ہوتی ہے ماں بیٹے کی با سوزیاد
پوچھو اکبر سے کہیں گے جو کچھ انکی ہے مراد
حق نہ ماں باپ کو دکھلائے فراقِ اولاد
تھا مقدر میں کہ سب ہو دیں جدا ہم کہیں

اب بہی اُٹھہ جائیں جہان سے تو نہ یہ غم دیکہیں

سنکے یہ بانو نے فرزند سے پوچہا رو رو
کیا کہا چاہتے ہو ماں سے تو اے لال کہو
ہاتہہ کیون جوڑے ہو ان ہاتہوں کے ماں صدقے ہو
کہا اکبرؑ نے رضا مرنے کی امان ہمین دو

صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہون گے ہم
دودہ بخشو ہمین بابا پہ فدا ہون گے ہم

یہ سخن سنتے ہی فرزند سے ماں ہوگئی زرد
دہیان آیا کہ چلا ہائے پسر نہر نبرد
مردنی چہا گئی چہرے پہ اُٹہا دل مین درد
دیکہہ مُنہ بیٹے کا کہنے لگی بہر کر دم سرد

تم سے بچہڑون گی تو واری مین کدہر جاؤنگی
پہر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مرجاؤن گی

کہا اکبرؑ نے کہ بہتر ہے نہ دیجے رخصت
خیر مرنے کو نہ جاوین گے نہ کیجے رخصت
میرے بابا سے ہوے بہائی بہتیجے رخصت
مجکو بہی وہیان یہ تہا آپ سے لیجے رخصت

ماں سے فرزند کو تکرار کا یارا کیا ہے
تابع حکم ہین ہم زور ہمارا کیا ہے

سب نے قربان کئے زہراؑ کے پسر پر فرزند
کٹ گئے تیغون سے کس کس کے جگر کے پیوند
مین نے چاہا تہا کہ ہو آپ کا بہی نام بلند
پر تعجب ہے کہ آئی نہ مری عرض پسند

آپ کہتی ہین بچاؤ تو بچاوین گے ہم
اپنے ہچشمون کو پہر مُنہ نہ دکہاوین گے ہم

جائیگا سوے شہ تو بچائیگا غلام
کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
خیمے کے لوٹنے کو آئیگا جب لشکر شام
قید ہم ہون گے کہ لڑنے کا یہی ہے ہنگام

آبرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

آج جو مرتے تو داخل شہدا مین ہوتے
لاش پر کہتے ملک ہائے علیؑ کے پوتے
پائنیتی باپ کے آرام سے رن مین سوتے
حشر تک ہم کو عزادار جہان مین روتے

جو ہے منظور ہمین آپ کو منظور نہین
اب بھی فرماؤ تو میدان وغا دور نہین

بولی مان ہو گئے آزردہ مین واری بیٹا
باپ پیارا ہے تمہین مان نہین پیاری بیٹا
گلہ آمیز یہ باتین ہین تمھاری بیٹا
دھیان اپنا ہے نہین فکر ہماری بیٹا

پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

علی اکبر میری محنت کی طرف دھیان کرو
چھوڑ کر مان کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
امان واری مری بستی کو نہ ویران کرو
پھر فدا ہو جیو پہلے مجھے قربان کرو

مرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
اپنی مادر کا جنازہ تو اُٹھا لو بیٹا

مان کی تقریر سے مایوس ہوئے جب اکبرؑ
رکھدی تلوار لگے کھولنے ہاتھون سے کمر
اشک آنکھون سے بہے چاند سے رخسار و نپر
بانو گھبرا گئی ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر

لے کے بیٹے کی بلائین کہا کیون روتے ہو
لو نہ روکونگی مین کاہے کو خفا ہوتے ہو

رو کے کہنے لگے بیٹے سے امام خوشخو
مان تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہو

پھر کہا بانوؑ سے اب مرنے کی رخصت انہیں دو
تہا مقدر مین یہی صبر کرو شکر کرو

یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجا میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

تمنے اٹھارہ برس کھینچے ہین گو رنج و تعب
بانوؑ پر خواہشِ تقدیر سے ناچار ہین سب
اس کا مین کون ہون تم کون ہو جو مرضی رب
زور کیا ہے جسکی امانت تھی وہ کرتا ہے طلب

اب نہین جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے ستھے
خلق مین داغ دکھانے کو یہان آئے تھے

شہ نے سمجھایا تو بانوؑ نے کہا یہ رو کر
کیون گمر کھوتے ہو غصے سے صدقے مادر
مان سے چلتے ہوئے آزردہ نجاؤ اکبرؑ
خیر جو مرضی ہے اچھا کرو دنیا سے سفر

اب تو راضی ہوئے مادر سے مین واری بیٹا
آگے آؤ کہ بلائین لون تمھاری بیٹا

سنکے مان سے یہ سخن قدمون پہ فرزند گرا
عرض کی آپ سے روٹھون مرا مقدور ہے کیا
مان نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا
جاؤ رخصت ہی کیا دودھ بھی تمکو بخشا

غم نہ کھانا کہ یہ مان رو رو کے مرجائے گی
ساتھ دو باپ کا مان کی بھی گذر جائیگی

کہکے یہ رو کی جوان بیٹے کو چھاتی سے لگا
غل ہوا بانوؑ نے دی مرنے کی اکبر کو رضا
خاک پر سید سجادؑ نے سر دے پٹکا
رو کے چلانے لگین بہنین کہ ہے ہے بھیا

کچھ زبان سے علی اصغرؑ جو نہ کہہ سکتا تھا
جھولے سے رو رو کے بھائی کی طرف تکتا تھا

کہتی تھی پیٹ کے سر زینب مضطر ہے ہے
بانُو لوٹی گئی برباد ہوا گھر ہے ہے
نوجوان مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
ہمسے پردیس میں چھوٹے علی اکبرؑ ہے ہے

پاس کوئی نہیں تنہا شہ مظلوم ہوئے
ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے

چھوڑ کر روتا انھیں خیمے سے اکبرؑ نکلے
پر عجب حال سے ہمشکل پیمبر نکلے
پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
مُڑ کے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے

ماں کے رونے کی جو کانوں میں صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی

در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپ عقاب
فدوی اسوار ہو لیجائیں جو تشریف جناب
جوڑ کر ہات کہا شاہ سے با چشم پُر آب
بولے شہ تم چڑھو گھوڑے پہ میں تھا مونگا رکاب

باپ نے پاؤں کو گر ہاتھ لگایا تو کیا
کاندھے پر چڑھتے تھے گھوڑے پہ چڑھایا تو کیا

مثال ۴ - حضرت امام زین العابدینؑ اپنے بھائی علی اکبرؑ کو رخصت کر رہے ہیں

فضہ سے کہا، کیا ہوا؟ کیسی ہے یہ زاری
شبیرؑ اکیلے ہیں، غضب ہو گیا، واری
سر پیٹ کے وہ خادمہ خاص پکاری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبرؑ کی سواری

ماں خاک اُڑاتی ہے، پھوپی غش میں پڑی ہیں
سب بی بیاں حلقہ کیئے گرد اُنکے کھڑی ہیں

فرمایا عصا لاکہ برادر سے مل آئیں
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئیں
غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئیں
شبیرؑ کے پیارے علی اکبرؑ سے مل آئیں

بھائی کا نہین کوچ یہ رخصت ہے نبیؐ کی
ہم آپ چلین گے کہ زیارت ہے نبیؐ کی

فضہ نے عصا دے کے، جو بازو کو سنبھالا
بستر سے اُٹھا کانپ کے وہ گیسوؤن والا
خم ہو گیا تھا، درد کمر سے قد والا
تھرّا کے پڑا پاون کہین، اور کہین ڈالا

اشک آنکھون سے بہتے تھے، گریبان قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے، سر رکھ کے عصا پر

آواز حزین تھی کہ میری جان برادر
بیمار برادر ترے قربان برادر
ہم آتے ہین ٹھہرے رہو، اک آن برادر
ذی قدر برادر، مرے ذیشان برادر

بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوئے جاؤ
ہم روئین تمھین، تم ہمین روتے ہوئے جاؤ

عابدؑ کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبرؑ
آنکھون کو، ہاتھون سے قدمون پہ رکھا سر
سجادؑ نے فرمایا کلیجے سے لگا کر
گردن مین، مرے ڈال دو باہون کو برادر

شانے کے قرین، زلف معنبر رہے، بھائی
چہرہ مرے چہرہ کے برابر رہے، بھائی

اے روشنی خانۂ زہراؑ ترے صدقے
اے باپ کے عاشق، مرے شیدا، ترے صدقے
اے تشنہ لب، اے بیکس و تنہا ترے صدقے
اے رہرو فردوس معلا، ترے صدقے

گھر آج اُجڑتا ہے، لُٹے جاتے ہین بھائی
ہم قافلہ والون سے چھٹے جاتے ہین بھائی

مثال ۵۔ حضرت امام حسینؑ بہن، بیٹی، اور بیوی سے رخصت ہوتے ہین۔

روتے ہوئے حرم مین گئے قبلۂ نام — تر تھی لہو سے لخت جگر کی قبا تمام
رخ زرد دل مین درد بدن سرد تشنہ کام — طاقت نہ قلب مین نہ بدن مین لہو کا نام
یہ درد تھا بکا مین کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے — لائی حرم سرا مین بہن ہاتھ تھام کے
تھرا رہے تھے پاؤن شہ تشنہ کام کے — سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جان تھے کہ ابتک نہ مر گئے

پرسا تمہین شہید کا دینے کو آئے ہین — کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہین
بیٹھے ہین خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہین — ہم تمہارے لال کے خون مین نہائے ہین
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود مین
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود مین ؂

سر بار دوش ہے ہمین رخصت کرو بہن — اب عنقریب خیمۂ عصمت مین شیون زن ؂
مردے پڑے ہوئے ہین عزیزون کے بے کفن — پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن
محجوب ہم ہین قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی تو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سنکے بی بیون کے جگر پر چھری چلی — زینبؑ زمین پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سر خفی جان کے ہین سب آپ پر چلی — جاتا ہے سر کشون مین یہ کونین کا ولی
بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا

آقا یہی تو وقت ہے مشکلکشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے مین کد کرو
دریا کو چھین لو حق زہرا ادا کرو
فرزند فاطمہ کی بلاؤن کو رد کرو
یا شیر حق مقام مدد ہے مدد کرو

پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دھر مین
حصہ لپسر کا کیا نہین مادر کے مہر مین

یا مصطفے بلامین پہنسا ہے تمہارا لال
یا فاطمہ مین لٹتی ہون بکھراؤ سر کے بال
یا شیر ذو الجلال دکھاؤ انہین جلال
یارب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال

پہر کیا کسی سے کام ہے سب جارہون
بہائی کو اپنے لے کے مین جنگل مین جارہون

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہین
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمہین
خالق کی یاد سر و علن[1] چاہیے تمہین
جو مان کا تہا چلن وہ چلن چاہیے تمہین

ہر بار پوچھتے تے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا

یہ سچ کہ تمکو محبت ہے اے بہن
پیارے تمہارے بہائی کی رخصت ہے اے بہن
کیا کیجیے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن

بہولے نہ یاد حق کبھی گو حال غیر ہو
اسکی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکہا یہ کہکے بالی سکینہ کو پاس سے
لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردون اساس سے

[1] یعنی پوشیدہ وظاہر ۱۲

طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں سفر ناگزیر ہے
آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوے قرب خدائے قدیر ہے
تنہا ہیں ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جسکا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سنکر مصیبت پدر بیکس و حزین
بولی بلائیں باپ کی لیکر وہ مہ جبین
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امام دین
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار
پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے نا کوئی نہ سوار
اس دشت کین میں قید ہی احمد کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہیں
سر کاٹ کر درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

عمو تمہارے چھوڑ گئے ہمکو جاں بلب
بی بی قدم پہ گر کے یہیں اب رو سکا جب
دولہا بنے چلے گئے بیٹے قاسم پہ بے سبب
مرنا شباب میں علی اکبر کا ہے غضب
تھے جتنے زندگی کے حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر سے ہو گئے اکدم میں لٹ گئے

بی بی یہان سے اہل وطن ہین قریب تر
بہیجے ہین شیعیان یمن نے بہی نامہ بر
پر میری بیکسی کی نہین ایک کو خبر
لیکن حسینؑ تک نہوا ایک کا گذر
قریون سے بہی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر بنی اسد کا قریب آ کے پہر گیا

گھیرا ہے اس لئے مجہے اس بن مین بیگناہ
نہ دوست نہ عزیز نہ غمخوار نہ سپاہ
تا مجہہ تک آ سکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
ہمراہی سب عدم مین وطن دور گھر تباہ
مجہسا بہی کوئی بیکس و بے پر بشر نہو
مر کر نہ دفن ہون تو کسیکو خبر نہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہو ادہر
پہلے ہی سے ہے آج شبِ فرقتِ پدر
ضد کر کے رؤیو نہ ہمین چاہتی ہو گر
سو رہیو ماں کی چہاتی پہ غربت سے رکہکے سر
راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یون بسر کرو جو یتیمون کا طور ہے

ننہے سے ہاتہہ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
آنکہون سے خون بہا کے یہ کہنے لگے امام
بتلایئے مجہے کہ یتیمی ہے کسکا نام
کہل جائیگا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
بی بی نہ پوچہو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بُندے اُتار و طوق بڑہاؤ پدر نثار
چلائیو نہ این ابی کہہ کے بار بار
چہپنا کہین جو لوٹنے آئین ستم شعار
دشمن ہمارے نام کا ہے شمر نابکار
لو الوداع جاتے ہین اب قتل گاہ مین

سونپا تمھین خدا و نبیؐ کی پناہ مین

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا ادہر اُدہر — پوچھا کہ ہر ہین بانوے ناشاد نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ اُدہر پیٹتی ہین سر — رخصت کی ہی حضور کے اُنکو نہین خبر
لب پہ گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
چلیے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

رکھی تہی لاکے لاش پسر آپنے جہان — مُنہ اُس زمین پہ ملتی ہین اور ہی لبون پہ جان
کرتی ہین اُٹھہ کے آہ تو ہلتا ہے آسمان — نعرہ یہ ہے کہ ہاے علی اکبر جوان
واری گئے نہ قبر مین امان کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے وہان جو گئے شاہ خوش خصال — دیکھا کہ غش ہین خاک پہ بکھرے ہوئے ہین بال
شبیر بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال — اے شہربانو ہوش مین آؤ یہ کیا ہی حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھہ دکھائے ہین
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہین

سُنکر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر — کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر
تنہا حضور آئے ہین باندھے ہوئے کمر — صاحب کہان ہے منتون والا مرا پسر
ایسے نہین وہ دُکھہ مین جدا ہون جو باپ سے
اپنے مرادون والے کو مین لونگی آپ سے

اے جان فاطمہ مرا پیارا کہان گیا — امان کی زندگی کا سہارا کہان گیا
وہ تین دن کے پیاس کا مارا کہان گیا — سیدانیون کی آنکھون کا تارا کہان گیا

مرتی ہون اپنے سروسہی قدکو دیکھہ لون
اِک بار پھر شبیہ محمدؐ کو دیکھہ لون

وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائین پھر
لے لون مین گیسوؤن کی بلائین تو جائین پھر
مجھکو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئین پھر
خوشبو مین تن کی سونگھہ لون جنگل بسائین پھر
تڑپیگا دل تو لے کے اجازت حضور سے
مین دیکھہ لون گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

بیخود تھی مین جب آئے تھے میدان سے وہ ادھر
کیا دیکھتی مجھے تو کچھہ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا ذرا جو دل تو پھڑکنے لگا جگر
کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہین خبر
آئے تو چھپکے آئے گئے سب سے مِلے ہوئے
باتین نہ پیار کی ہوئین نہ کچھہ گلے ہوئے

گر ہین خفا تو آئین مین اُٹھکے کرنثار ہون
اُنکی خطا نہین ہے مین تقصیروار ہون
دائی ہون اُنکی آپ کی خدمت گذار ہون
اب رحم کیجیے کہ بہت بیقرار ہون
تکلیف گرچہ ہوگی شہ مشرقین کو
لے آئیے مناکے مرے نور عین کو

باتین یہ سُنکے کہنے لگے شاہ بحروبر
یارب جدا نہو کسی مان سے جوان پسر
بانوؑ کسے بُلاؤن کہان ہے وہ سیمبر؟
ہمشکل مصطفےٰ تو گئے فاطمہؑ کے گھر
ہر دکھہ مین صبر کرتے ہین جو حق شناس ہین
جس نے تمھین دیا تھا وہ اب اُسکے پاس ہین

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی اُنہین
ہے ہے منافقون کی نظر کھا گئی اُنہین

مخفی بہت کیا پہ اجل پاگئی اُنہین
صحراے کربلا کی فضا بہاگئی اُنہین

زندہ نہوگا لال اگر مربہی جاؤ گی
اب توکوئی گہڑی مین ہمین بہی نہ پاؤگی

جاتے ہین ہم وہین کہ جہان ہے وہ لالہ فام
دے دو جواسپے لال کو دینا ہو کچہ پیام
سُنکر یہ ذکر ہوش مین آئی وہ تشنہ کام
سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب سے چلے امام

خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار
اے ابن فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئین ستم شعار
بیٹہے کہان یہ بیکس وغمگین وسوگوار

کچہ حق مین اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہہ مجہے بٹہلا کے جائیے

مین وہ ہون جو کہ قید مین آئی تہی یا امام
مشہور ہون کنیز امام فلک مقام
پاس آپکے ہے نانا کا اے قبلۂ انام
گر قید ہو گئی تو کہین گے یہ خاص وعام

بندی چلی ہے شام کو آل رسولؐ کی
دیکھو یہی ہوے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ وحامی ہے ذوالجلال
زہراؑ کی بیٹیون کی رہو تم شریک حال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ نہ بہائی نہ دونو لال
صاحب تمہارے ساتھ ہی عابدؑ سا خوشخصال

بے وارثون کا وارث ووالی اللہ ہے
دیکھوڈ گے نہ پاؤن کہ مشکل کی راہ ہے

لو والد اع لاش پہ اب آ کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے روئیو
لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلا کے روئیو
قبر رسولؐ پاک پہ ہاں جا کے روئیو
لُٹنے مین صبر شکر تباہی مین چاہیے
رونا بشر کو خوف الہی مین چاہیے

مثال ۵، حضرت امام حسین علیہ السلام، اپنے بھائی عباسؑ کے مرنے کی خبر سنکر رزمگاہ مین جاتی ہین ۹

دریا پہ سر برہنہ شہ بحر و بر چلے
اکبرؑ سنبھالے باپ کو با چشم تر چلے
صدمہ یہ تھا کہ ہاتون سے تھامے کمر چلے
یہ بھی اُدھر چلے شہ والا جدھر چلے
صدمہ ہے، ضرب غم سے دل پاش پاش پر
رونے کو بھائی جاتا ہے، بھائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفون پہ خاک ہے
سوکھے لبون پہ نالۂ روحی فداک ہے
آلودہ غبار الم روے پاک ہے
اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے
دست یسار بیٹے کے گردن مین ڈالے ہین
شہ کو جھکے ہوئے علی اکبرؑ سنبھالے ہین

جب پانون کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ
دریا نہ اتنا دور تھا اے میرے رشک ماہ
طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
ہے دور یان سے یا مرا بھائی قریب ہے
کہتے ہین، وہ "حضور! ترائی قریب ہے"

القصہ لائے باپ کو اکبرؑ ترائی مین
پائی جو بوے خون برادر ترائی مین
زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی مین
لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی مین

گذری تھی عمر ساتھ جسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

منہ رکھکے منہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
اے شیر اے دلیر یہ بیکس ترے فدا
کیون پتلیان پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا
عباسؑ مین حسینؑ ہون دیکھو مجھے ذرا
میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو عنانِ توسنِ عمر رواں نہ لو
ساتھی تھکا ہوا ہے رہِ کارواں نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرام جان نہ لو
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیان نہ لو
مرجاؤن گا مین ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتۂ جان ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامدار
آقا ہزار جان گرامی ترے نثار
یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار
نکلے جو گل کے سامنے بلبل کی جان زار
دیدار دیکھنے مین نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوے پاک نور خدا اور سرِ حقیر
عالم کا بادشاہ کہاں اور کہاں حقیر
ذرے کو مہر کر دیا اے آسمان سریر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دم اخیر
پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود مین
معراج مل گئی شہ والا کی گود مین

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
لیکر رسولؐ جام شرابِ طہور آئے

روشن ہو کیون نہ چشم جو خالق کا نور آئے
ایسا ہو سرور جو بالین پہ حور آئے

عشاق مر بھی جاتے ہین زخمی بھی ہوتے ہین
مین اب تو تندرست ہون کیون آپ روتے ہین

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہین ہمکو سب
عباس چھوڑ جاؤ گے اب ہمکو ہے غضب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جان لب
اے جانِ فاطمہ جگر سیّدِ عرب

کس کس کو روئیے کہ یہ اعدا کے ریلے ہین
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہین

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم
صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ امم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
الفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم

دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہین
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہین

یہ کہکے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر مین درد
رخسار سرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد
لین کروٹین تو بھر گئی زخمون مین رن کی گرد
منہ رکھکے شہ کے پانون پہ کھینچی اک آہِ سرد

دنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
سردار فوج بے کس و بے یار ہو گیا

بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
صدمہ غضب کا سبطِ نبی پر گذر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا

لیتے تھے بوسے جھک کے تنِ پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سناو
زینبؑ تمھین بلاتی ہین خیمے کے در پہ جاو

سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاو
کب سے بلک رہی ہے سکینہؑ کو دیکھ آو

باتون مین پیار کی کہین تم سے گلا نہو
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہو

کیا ہے جو آنکھ بند کئے ہو حیا سے تم
اکبرؑ ہین بچاتے تھے لون مین ہوا سے تم

کیا کچھ خفا ہو سبط رسولؐ خدا سے تم
ہم اَٹ گئے ہین گرد تو جھاڑو قبا سے تم

ہے دوپہر کا وقت برادر پہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہ زمان
لے چلیئے گھر مین لاش علمدار نوجوان

رونے سے اب بلینگے نہ حضرت کے بھائی جان
ایسا نہو نکل پڑین خیمہ سے بی بیان

دریا پہ ننگے سر کہین بنت علیؑ نہ آے
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

اکبرؑ نے عرض کی کہ چلین اب شہ زمان
وان بھی مرے لیئے وہی رونا ہے جو یہان

رو کر امام دین نے کہا جائین اب کہان
اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہان

اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پانون پہ سر ہاتھ جوڑ کر

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے باہر جو بے خبر
پردہ اُلٹ کے خیمہ کا بولی وہ نوحہ گر

حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
سید ادینو اُٹھو علم آتا ہے خون مین تر

اکبرؑ علم لیئے ہین علیؑ کا نشان نہین

کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجوان نہین

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشان
تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشان
گویا کہ تھا شبیہ الم سبز نشان
ڈوبا تھا خون سے پنجۂ پُر نور اور نشان
چھپ جاتا تھا پھریرے مین یون کانپ کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی مُنہ ڈھانپ ڈھانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوے عباسؑ کٹ گئے
سیدانیون کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
بچّون کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے
رنگ اُڑ گئے رخون سے کلیجے اُلٹ گئے
ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
بچّون سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر مین حسینؑ آئے
چلّاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہان سے پائے
عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہاے ہاے ہاے
چھینا اجل نے ہمکو ہمارے دلیر کو
لو بیبیو ترائی مین رو آئے شیر کو

لپٹی تو تھی علم سے سکینہؑ جگر فگار
ہے ہے علیؑ کے لعل کی رانڈ تھی نہین بجا
پرچم پہ یون لچکتا تھا پنجہ وہ بار بار
سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
تصویر حسرت والم و یاس بن گیا
رایت بھی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلّاتی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
مین سر کو پیٹتی ہون تمہین کچھ نہین خیال

جاتا ہے یون جہان سے کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی مین لونڈی کو چھوڑ کے

پُرخون علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر — تکلے کھلے تھے کرتون کے تھراتے تھے جگر
مان نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گہر — سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر

زلفون پہ گرد تھی تو رخون پر غبار تھا
چہرون سے درد بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا — بابا ہمارے گھر مین کب آئین گے ابّی چچا
آیا علم پر اُنکے نہ آنے کی وجہ کیا — چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا

امان کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گذر گئے
بھیا تمھین خبر نہین بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سُنکے نہر کی جانب وہ بے پدر — رو کر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر — بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہین نہر پر

میت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئین گے
دامن مین ہم کٹے ہوے ہاتھون کو لائینگے

مثال ۶، علی اکبرؑ نزع کی حالت مین ہین، اور امام حسین علیہ السلام اُنکے پاس جاتے ہین

جس دم سنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا — صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اُلٹ گیا
ہاتھون سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا — نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کدھر گیا

مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
اے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہے ہے مرے شفیق پسر مہربان پسر
خوشخو پسر سعید پسر قدردان پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جان پسر
گمگو پسر شہید پسر نوجوان پسر
مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہین مجھے
اے نورِ عین کچھ نظر آتا نہین مجھے

مجھکو غریب دشت بلا کہہ کے پھر پکار
اک بار یا ابتہ دوسرا کہہ کے پھر پکار
اے شیر سید الشہدا کہکے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہکے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائیگی
مرجاؤن گا یہین جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہین بیحواس ہون
زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہون
غمگین ہون مردہ دل ہون حزین ہون اُداس ہون
دم توڑ دو تم تو ہے غضب اور مین نہ پاس ہون
کیونکر قرار آئے دلِ ناصبور کو
لاؤن کہان سے ڈہونڈ کے آنکھونکے نور کو

دوڑے یہ بات کہکے جو سلطانِ بحر و بر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو مین تر
اُٹھا یہ دل مین درد کہ خم ہوگئی کمر
دیکھا جو زخم مُنہ کے قریب آگیا جگر
تڑپے جگر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفون مین کہ شبیرؑ مر گئے

ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب
دیکھا کہ بٹ رہی ہے شبیہ رسولؐ رب
آنسو بہا کے رکھدیے بیٹے کے لب پہ لب
چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہمکو ہے غضب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو

باہین اُٹھاکے باپ کی گردن مین ڈال دو

اکبرؑ نے آنکھین کھول کے دیکھا رخِ پدر
گالون پہ اشک آنکھون سے ٹپکے ادہر اُدہر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھہ کر سرِ پسر
روتے ہو کسکے واسطے اے غیرتِ قمر
یان سے اُٹھاکے آل پیمبر مین لے چلین
غم مان کا ہے تو آؤ تمھین گھر مین لے چلین

کی عرض مہلت اتنی کہان اے شہِ اُمم
اب کیجیے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھہ لیئے آپ کے قدم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھہ نہین ہے غم
ساتھہ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہین
روتا ہون اس لیئے کہ اکیلے حضور ہین

شہ نے کہا مرے لیئے بیٹا نہ رووٗ بس
ہوگا جہان سے جانے مین تھوڑا سا پیش و پس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھہ ہوس
میرے لیئے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس
اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

یہ بات سُنکے لینے لگا ہچکیان پسر
سوکھی زبان دکھائی کہ پیاسا ہون اے پدر
زردی اجل کی چھاگئی چہرے پہ سربسر
دوبار لی کراہ کی کروٹ ادہر اُدہر
دنیا سے انتقال ہوا نور عین کا
ہنگامِ ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

نکلی ادہر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار
یان بیبیان ہوئین درِ خیمہ پہ بیقرار
فضہ پکاری ڈیوڑہی سے بڑھ کر یہ ایک بار
اکبرؑ پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار

چھریاں غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہین
جلد آیئے کہ حضرت زینبؑ نکلتی ہین

گھبرا کے شاہ دین نے اُٹھائی پسر کی لاش
لپٹا لئے تھے کلیجے سے لخت جگر کی لاش

لائے قریب خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشک قمر کی لاش

زہراؑ کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑین
سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑین

سر ننگے شہ کے گرد تھین سیدانیاں تمام
تھے بیچ مین شہید کا لاشہ لئے امام

بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہ تشنہ کام
جیتا ہے یا جہان سے گیا میرا لالہ فام

منکا ڈھلا ہے ہونٹون پہ سوکھی زبان ہے
اے جان فاطمہؑ مرے بچے مین جان ہے؟

زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
یہ لاش میری گود مین دیجے بہن نثار

طاقت نہین ہے آپ مین یا شاہ نامدار
صدقے گئی لرزتا ہے فاقون سے جسم زار

شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھسے بہن اُٹھے گا نہ لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمہ مین لائے امام پاک
مسند رسولؐ حق کی بچھائی بروے خاک

شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہ دردناک
دل بی بیون کے ہوگئے سینے مین چاک چاک

پہلے گمان تھا غش مین وغا کر کے آئے ہین
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہین +

لاشے کے پاس ہاے پسر کہکے مان گری
ہاتھون سے دل پکڑ کے پھوپھی نیم جان گری

دل پر ہراک کے برق غم نوجوان گری
غش ہوکے یان گری کوئی اور کوئی وان گری

چھوٹی بہن جو لاشے سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہوگیا صفِ ماتم اولٹ گئی

مثال ۷ ، حضرت علی اکبرؑ نزع کی حالت مین امام حسین علیہ السلام کو پکارتے ہین اور وہ بدحواس قتلگاہ کی طرف جاتے ہین - اُسوقت کی اضطرابی حرکات ، اور باپ بیٹے کی گفتگو ۔

سُنکر یہ استغاثہ فرزند خوشخصال
کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیون نے بال
سیّد نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
بانوؑ پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال

ہے ہے پسر سے کونسی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اُجڑ گئی

نیزے سے کسکے لال کا زخمی ہوا جگر
کہتا ہے کون رن مین تڑپ کر پدر پدر
کرتے ہین کسکی لاش کو پامال اہل شر
اب گھر سے مین نکلتی ہون ہے ہے مرا پسر

پردانہ مجھسے کیجیے سب جانتی ہون مین
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہون مین

بانوؑ کو قسمین دے کے چلے شاہ نامدار
دل تھا اُلٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بیقرار
وہ پیاس اور وہ دہوپ کا صدمہ وہ اضطرار
اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے باربار

چلاتے تھے شبیہ پیمبرؐ ہم آتے ہین
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہین

آؤن کدھر کو اے علی اکبرؑ جواب دو
اکبرؑ برائے خالق اکبر جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو

گرتے ہین ہم ثواب کا ہاتھون سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھہ سوجھتا نہین مین کدہر جاؤن کیا کرون
اے نور چشم تجکو کہان پاؤن کیا کرون
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤن کیا کرون
کیونکر پسر کو ڈھونڈھ کے مین لاؤن کیا کرون

پایا تھا مدتون مین جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہمنے کھو دیا جنگل مین آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جسم زار زیست کا باقی نہین محل
اے جان ناتوان، تن مجروح سے نکل
ہان اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل

چھوٹے نہ اُسکا ساتھہ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

جنگل سے بیحواس ہو کے نہر پر گئے
وان بھی جو وہ گہر نملا سوے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
تھامے ملے لہو کے برابر جدہر گئے

ٹپکا ہوا زمین پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہین نہ وہ پسر ماہرو ملا

جا کر صفون کے پاس پکارے باشک و آہ
ہے کسطرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
اے ظالمون پہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ
کس ابر مین چھپا ہے مرا چودہوین کا ماہ

بتلاؤن جان ہے کہ نہین جسم زار مین
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار مین

لاش پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہ بحر و بر
سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہل شر

کہتا تہا شمر اے پسر سید البشر
کس کو حضور ڈہونڈتے ہین، مر گیا پسر
خود ڈہونڈ ھ لیجیے جسد پاش پاش کو
بتلائین گے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو

یہ سُنکے کہینچ لی شہ والا نے ذوالفقار
چمکی جو برق تیغ تو بہاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبر کا راہوار
چلائے اے عقاب کدہر ہے ترا سوار
دکھلادے مجھکو لاش مرے نور عین کی
کس دشت مین پڑی ہے بضاعت حسین کی

ملنے دے ان رکابون کے حلقون سے چشم نم
ہے ہے اسی مین تہے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لون مین اسیر غم
اکبر کے ہاتھ مین تہی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ ہاتہ پاؤن مرے آفتاب کے
قربان تری لگام کے صدقے رکاب کے

گہوڑے نے ہنہنا کے سوے دشت کی نظر
یعنے کہ لاش آپکے پیارے کی ہے ادہر
جاتا تہا آگے آگے وہ تازی بچشم تر
گہوڑے کے پیچہے پیچہے تہے سلطان بحر وبر
جنگل مین لاشۂ پسر نوجوان ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جان ملا

دیکہی عجیب حالت فرزند نوجوان
پیکان گلے مین ہونٹون پہ نکلی ہوئی زبان
تن پر جراحت تبر و خنجر و سنان
گردن تہی کج پہری ہوئی آنکہون مین پتلیان
ٹاپون سے مرکبون کے جراحت پہٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک مین گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہین واکرکے چشم تر
اے جان جسم زار مین اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر

پھر ایک بار سید والا کو دیکھ لون
مہلت بس اتنی دے کہ مین بابا کو دیکھ لون

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھاے
حضرت زمین پہ گر کے پکارے کہ ہای ہاے
زندہ ہے یہ پیر جوان یون جہان سے جاے
اے لال تین روز کے فاقے مین زخم کھاے

شاید جگر کے زخم سے تم بیقرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیون کھینچتے ہو پاؤن کو اے میرے گلعذار
کیون ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھین تو کھولدو کہ مرا دل ہے بیقرار
بیٹا تمھاری مان کو تمھارا ہے انتظار

بہنین کھڑی ہین در پہ بڑے اشتیاق مین
اکبر تمھاری مان نہ جیے گی فراق مین

غش مین سنا جو ہین علی اکبر نے ان کا نام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوے خیام
سوکھی زبان دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام

اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسین ع کہ پانی مین جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبر مین کیا کرون
پانی نہین ہے مجھکو میسر مین کیا کرون
گھیرے ہین نہر کو یہ ستمگر مین کیا کرون
کچھ بس نہین مرا مرے دلبر مین کیا کرون

اعدا نہ دینگے بوند اگر لاکھ کد کرین

بیٹا تمھاری ساقیٔ کوثر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
اتنی زبان ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
انگڑائی لیکے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال
نکلی حرم سے ایک زن فاطمہ جمال
یعنی ادھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
گویا جناب سیدہؑ کھولے ہوئے تھیں بال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلائی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
اے ابر شام چاند ہمارا ہے کس طرف
اے آسمان وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ارض کربلا وہ سہارا ہے کس طرف
ہے ہے سناں سے جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو
ہے ہے مرے غریبی کے پالے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اٹھارواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جوان
صفدر جوان شکیل جوان نازنین جوان
خوشرو جوان غریب جوان مہ جبین جوان
کس نے تجھے مٹا دیا اے حسین جوان

آغاز تھین مبین ابھی ایسے سن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بیجواس ادہر سے وہ نوحہ گر

سیدانیون کا غول تہا پیچھے برہنہ سر
آئے اُدہر سے لاش لئے شاہ بحر و بر

دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے
سب بی بیان لپٹ گئین اکبرؑ کی لاش سے

مناظرِ قدرت

عربی اور فارسی مین مناظرِ قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے، اور اُردو مین تو گویا سرے سے اس کا وجود ہی نہ تھا، میر ضمیر نے سب سے پہلے اس پر طبع آزمائی کی، لیکن وہ مضمون بندی اور استعارات کو کلام کا اصلی جوہر سمجھتے تھے، اسلئے اصلی حالت نہ ادا کر سکے، میر انیس نے اس صنف پر اگرچہ صرف دو تین مرثیے لکھے ہین، لیکن جو کچھہ لکھا ہے، کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے -

صبح کا سمان،

طے کر چکا جو منزلِ شب، کاروانِ صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح

ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
ھر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہان نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم، تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اُٹھائی نقابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب،

در کھل گیا سحر کا، ہوا بند بابِ شب
دفترکشای صبح نے اُلٹی کتابِ شب

گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا ٭
سلطانِ غرب وشرق کا نظم ونسق ہوا

یون گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے عیان
چُن لے چمن سے پھولونکو جسطرح باغبان
آئی بہار مین گل مہتاب پر خزان،
مُرجھا کے رہ گئے ثمر وشاخ کہکشان ٭

دکھلائے طور، بادِ سحر نے سموم کے ٭
پژمردہ ہو کے، رہ گئے غنچے نجوم کے ٭

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور
یادِ خدا مین زمزمہ پردازی طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا، وہ فضا وہ نور
خنکی ہو جس سے چشم کو، اور قلب کو سرور

انسان زمین پہ محو، ملک آسمان پر
جاری تہا، ذکر قدرتِ حق، ہر زبان پر

وہ سرخی شفق کی اُدہر چرخ پر بہار
وہ بارور درخت، وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کی وہ گلون پہ گُہرہائے آبدار
پھولون سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کُہلے ہوے، وہ گلون کی شمیم کے
آتے تہے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمین رشکِ آسمان
تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سمان
چھٹکے ہوے ستارون کا ذرّون پہ تھا گمان
نہرِ فرات بیچ مین تہی مثل کہکشان

سبزہ جو درخت تہا وہ نخل طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

ایک اور موقع پر لکہتے ہین ؎

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح
گلزار شب خزان ہوا آئی بہار صبح
سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح

تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکوں کا دمبدم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
مرغان باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بیشمار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار

وا تھے دریچے باغ بہشت نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سمان
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گمان
تھا جسکی ضو سے وجد میں طاؤس آسمان
نہر فرات بیچ میں تھی مثل کہکشان

ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باران نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینا سے لاجورد
رکھتی تھی پھونک پھونک کر قدم اپنا ہوا سے سرد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

دہوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا

سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

ایک اور موقع پر بھی یہی سمان باندھتے ہین ؎

وہ صبح اور وہ چھاؤن ستارون کی اور وہ نور — دیکھے تو غش کرے، ارنی گوی اوج طور
پیدا گلون سے قدرت اللہ کا ظہور — وہ جابجا درختون پہ تسبیح خوان طیور

گلشن خجل تھے، وادی مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولونکی باس سے

ٹھنڈی ہوائین سبزہ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختون کا، پھولون کی وہ مہک — ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک

ہیرے خجل تھے، گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا، وہ فضا — دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشش گل، وہ نالۂ مرغان خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولون سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گلفروش تھے

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولون پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخون کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہان تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریون کا چار طرف سرو کے ہجوم — کو کو کا شور، نالۂ حق سرہ کی دھوم

جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کی تھی رسوم	سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب عُلا کی مدح
ہر خار کو بھی نوک زباں تھی خدا کی مدح

اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار	چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
تسبیح تھی کہیں، کہیں تہلیل کردگار	یا حی و یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار

طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

گرمی کا سماں گرمی کا سماں شعرائے فارس نے باندھا ہے لیکن نہایت مبالغہ اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے۔ طالب آملی کا ایک قصیدہ ہے جس میں قصیدہ کی تشبیب، گرمی کے بیان سے شروع کی ہے ؎

کہ قطرہ برلب جو می کند نیابت خال	چنان بخار زمین تیرہ ساخت آب زلال
کہ شعلہ را ز نسیم است بیم اضمحلال	ہوا ز مہر تفسید گی چنان گردید

مرزا صائب ایک قصیدہ میں گرمی کی شدت کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

کردہ است از تشنگی بیرون زبان خویش آب	نیست این فوارہ ہر سو جلوہ گر در حوض ہا

ایک اور شاعر نے فرضی توجیہ خوب کی ہے ؎

پا ے می سوزدش از بسکہ زمین شد سوزان	گرد باد، از پے آن مے جہد از جا کہ براہ

بگولا

میر انیس بھی، اگرچہ رواجِ عام کے اثر سے، نیچرل حالت سے، جا بجا تجاوز کر گئے ہیں تاہم ان کا اصلی جوہر بھی نمایاں ہے، ؎

کالا تھا رنگ، دھوپ سے دن کا مثال شب	وہ لون، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا، دہوپ سے پانی فرات کا

آب روان سے مُنہ نہ اُٹھاتے تھے جانور
جنگل مین چھپتے پھرتے تھے، طائر ادھر ادھر
مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جاے راہ مین
پڑجائین لاکھ آبلے، پاے نگاہ مین

کوسون، کسی شجر مین نہ گل تھے نہ برگ بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا، صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھول کی، ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ، دہوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردون کو تپ چڑہی تھی زمین کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا، جو گرتا تھا، دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلہ جوالہ کا گمان
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ، گرمی روز حساب تھی،
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب		چھپنے کو برق چاہتا تھا دامنِ سحاب	
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب		کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب	

بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کُرۂ زمہریر میں

جو لوگ کہتے ہیں کہ میر انیس کے ہاں خیال آفرینی اور مضمون بندی نہیں ہے، وہ ان اشعار میں سے اُن شعروں کو دیکھیں، جہاں نیچرل حالت سے ہٹ کر، مبالغہ اور تکلف پیدا ہو گیا ہے۔

منظر

(یعنی سین)

کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جس کو انگریزی میں سین کہتے ہیں، واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے۔

عام واقعہ نگاری اور سین میں یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری میں ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے بخلاف اسکے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے، مثلاً اس شعر میں ؎

لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے ظہر کا ہنگام		تھا چاہ چھلکی آنی سب اندی سے پیام	

لو کا چلنا - خاک کا اڑنا - ظہر کا وقت ہونا - طوفان کا امنڈنا - ہر چیز کو الگ الگ لیا جائے تو واقعہ ہے اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو سین ہے۔

میر انیس نے شاعری کے اس صنعت کو جس کمال تک پہنچا دیا، اردو کیا فارسی میں بھی اسکی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ ہم چند مثالیں ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مثال ۱ - حُر نزع کی حالت مین ہے، امام حسین علیہ السلام اس کے سرہانے موجود ہین اسوقت کی حالت اور گفتگو ہے

نزع کی حالت

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین

پڑھیے یسین کہ اب ہے یہ دم باز پسین
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جان حزین

بات بھی اب تو زبان سے نہین کہی جاتی ہے
کچھ اُڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیر کے لی انگڑائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے اے بھائی

آیا ماتھے پہ عرق، چہرہ پہ زردی چھائی
چل بسے حُر جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیان رہ گئین پھر کر شہ والا کی طرف

مثال ۲-

گرمی کی شدت مین لوگون کی حالت

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑون کی راہ سخت
ڈوبے ہوئے پسینون مین ہین عزیزون کے رخت

پانی نہ منزلون، نہ کہین سایۂ درخت
سونلا گئے ہین رنگ جوانان نیک بخت

راکب، عبائین چاند سے چہرون پہ ڈالے ہین
تو سنے ہوئے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر
رنج مسافرت مین ہین سلطان بحر و بر

صحرا کے جانور بھی نہین چھوڑتے ہین گھر
لب برگ گل سے خشک ہین، چہرے عرق مین تر

آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے

گیسوے مشکبار اٹے ہین غبار سے

اہل حرم ہین ہودج و محمل مین بیقرار
بانو پکارتی ہے کہ اے شاہِ نامدار

معصوم پانی مانگتے ہین روکے باربار
گرمی سے جان بلب ہے مرا طفل شیرخوار

کیونکر یہ دکھ اُٹھے چہ مہینہ کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہ ع کہ اچھے مرے چچا
بابا سے کہد و اب کہین خیمہ کرین بپا

محمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا
ٹھنڈی ہوا مین لے کے چلو تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو میری حالت خراب ہے

مثال ۳

صغیر السن بچہ نزع کی حالت مین

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اسدم بحالِ زار
دن کو ہوا قرانِ مہ و مہر آشکار

لائے حسین ع ہاتھون پہ اک طفلِ شیرخوار
مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار

تھا فرطِ غش سے ننھا سا منہ کا ڈھلا ہوا
باندھے ہوے تھا مٹھیان اور مُنہ کھلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا دوش پر
جنتی ہوئین وہ جن پہ تصدق دلِ پدر

ماتھا جھنڈولے بالون مین ہالے مین جون قمر
آنکھین تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر

سایہ مین دامنِ خلفِ بوتراب کے
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے

پھیلا ہوا وہ آنکھوں میں کاجل اِدھر اُدھر
باچھوں سے تھا نمود جسے دودھ کا اثر
خشکیدہ ہونٹھ موے مژہ آنسوؤں سے تر
ہاتھوں میں نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینہ پر
ننھے سے دل کو ماں کے بچھڑنے کا درد تھا
رن کی ہوائے گرم سے جسم اسکا سرد تھا

کرتا بدن میں آتا تھا اس رنگ سے نظر
سینہ تھا صاف صورتِ آئینہ جلوہ گر
پڑتی ہے اوس پھولوں پہ جیسے دمِ سحر
گرمی سے ہو گیا تھا شلوکہ عرق میں تر
چھاتی میں دمبدم جو دم اسکا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھوں کو دیدے پٹکتا تھا

مثال ۴

فوجوں کی آمد و جنگ کی طیاری

ہے شور آمد آمدِ فوجِ فلک سریر
دعوت کے واسطے ہیں سنانیں لیے شریر
فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیڑ
حضرت کی پیشکش کو کمانیں ہیں اور تیر
پانی پہ چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں وہ
دریا کے گھاٹ برچھیوں سے روکے جاتے ہیں

سنتے تھے کہ ہیں شام کے حاکم کے جا بجا
آکر ترائی میں فوجیں بسا دیا
ہر برگزیدہ سے ہے طالب لشکر جفا
لیتا ہے جائزہ عمرِ سعد بے حیا
دل سے کرینگے قتل جو زہرا کے ماہ کو
انعام میں ملے گا دو ماہہ سپاہ کو

تیغیں سلاح خانے سے نکلی ہیں بیشمار
ہے جا بجا درستی اسبابِ کارزار

ہوتے ہین لیس تیرون کے دستے کئی ہزار — خنجر ہوے ہین ذبح کو پیاسون کے آبدار

نوکین نکالی جاتی ہین تیرون کی سان پر
بجلی برچھیون پہ چڑھتے ہین پرچم نشان پر

ولہ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب، یک بیک — اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگے فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک — قرنا پھنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے ٭
مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

حد سے فزون تھی کثرت افواج نابکار — نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغ آبدار
ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خار زار — ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار

پیکان بہم تھے جیسے ہون گل سب کھلے ہوئے
گوشون سے تھے کمانون کے چلّے ملے ہوئے

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل — تھے برچھیون کی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب مین ہے تلخی اجل — وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو سر کے بل

دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقون پہ تھے بچھے ہوے حلقے کمند کے

مثال ۵۔

سفر کی طیاری

آراستہ ہین بہر سفر سرو قبا پوش — عمامے سرون پر ہین، عبائین لب بر دوش

یارانِ وطن ہوتے ہین آپسمین ہم آغوش
حیران کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
مُنہ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

ہم سفرون کی وداعی ملاقات

عباس کا مُنہ دیکھکے کہتا ہے کوئی آہ
اب آنکھون سے چھپ جائیگی تصویر ید اللہ
کہتے ہین گلے مل کے یہ قاسم کے ہواخواہ
واللہ دلون پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگون سے شیرین سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہین وہ جو عون و محمد کے ہین ہمسن
کہتے ہین کہ مکتب مین نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمین یہ نہین ممکن
گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہین دن
تم حضرت شبیر کے سایہ مین پلے ہو
کیون دہوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیون سے کہتے ہین وہ دونون برادر
ہان بہائیو تم بھی ہمین یاد آؤگے اکثر
پالا ہے ہمین شاہ نے ہم جائین نہ کیونکر
مامون رہین جنگل مین تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہون
تم بہی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہون

رخصت کیلئے لوگ چلے آتے ہین ہم ہم
ہر قلب حزین ہے تو ہر اک چشم ہے پرنم
ایسا نہین گھر کوئی کہ جس مین نہین ماتم
غل ہے کہ چلا لشکرِ مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہین قبرِ نبی کے
روضے پہ اُداسی ہے رسولِ عربی کے

سفر کی طیاری اور سواری کی تقسیم۔

تدبیر سفر مین ہے اُدہر سبطِ پیمبرؑ
گہر مین کبہی آتے ہین کبہی جاتے ہین باہر
اسباب نکلواتے ہین عباسؑ دلاور
تقسیم سواری کے تردد مین ہین اکبرؑ
شہ کو جنہین لیجانا ہے وہ پاتے ہین گہوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہین گہوڑے

حاضر درِ دولت پہ ہین سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندہتا ہے، اور کوئی ہتیار
ہودج بہی کسے جاتے ہین محمل بہی ہین تیار
چلاتے ہین دربان کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گہٹا ٹوپ پڑے ہین
پردے کی قناتین لئے فراش کہڑے ہین

عورتین کیونکر رخصت ہوتی ہین۔

عورات محلہ چلی آتی ہین، بصد غم
کہتی ہین، یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہین کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہردم
فرش اُٹہتا ہے کیا، بچہتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہوئی زینبؑ

عورتون کا سمجہانا کہ یہ سفر کے دن نہین۔

لے لے کے بلائین بہی سب کرتی ہین تقریر
اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجہاتی نہین بہائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مُسلمؑ کا خط آئے تو کرین کوچ کی تدبیر
للہ ابہی قبرِ پیمبرؑ کو نہ چہوڑین
گہر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گہر کو نہ چہوڑین

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گہر ہووے گا خالی
بربادیِ یثرب کی بِنا چرخ نے ڈالی
کیا جانین کہ پہر آئین نہ آئین شہِ عالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہین نہ حیدرؑ نہ پیمبرؑ نہ حسنؑ ہین

اب اُن کی جگہہ آپ ہین یا شاہِ زمن ہین

گرمی کے یہ دن اور پہاڑون کا سفر آہ
رستے کی مشقت سے کہان ہین کبھی آگاہ
ان چھوٹے سے بچون کا نگہبان ہے اللہ
ان کو تو نہ لیجائین سفر مین شہِ ذیجاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہین ملتا
کوسون تلک اس راہ مین پانی نہین ملتا

منہ دیکھ کے صغرا کا چلا آتا ہے رونا
جھولا یہ کہان اور کہان نرم بچھونا
آرام سے مادر کی کہان گود مین سونا
لکھا تھا اسی سن مین مسافر انہین ہونا
کیا ہوگا جو میدان مین ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کُمھلائین گے مان ہاتھ ملے گی

اُن بی بیون سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
اس شہر مین رہنا نہین ملتا کسی تدبیر
سنتی ہون کہ غربت مین لئے جاتی ہے تقدیر
یہ خط پہ خط آئے ہین کہ مجبور ہین شبیرؑ
مجھکو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہین سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہین سکتی

مثال ۶

گرمی اور گرمی کی شدت مین زن و مرد اور بچون کی حالت،

گرمی کی شدت

مخفی تھے خضر شدتِ گرما سے شجر مین
نہ شجر مین راحت تھی کسی دل کو نہ بر مین
جلتی تھی یہ لو آگ بھڑکتی تھی جگر مین
جھیلون مین نہ پانی تھا نہ چشمے تھے حجر مین
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتین بھی نہ آتی تھین، کنوین خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانون سے نکلتے تھے شرارے ‏ ناری تھی ہوا، سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق مین اسد اللہ کے پیارے ‏ دہڑکا تھا کہ یہ لون کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہؑ کے عطش سے

تہا مہر کی حدت سے یہ حالِ شہِ ابرار ‏ ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق، سرخ تھے رخسار
تحمید مین جنبان تھے لب لعل گہر بار ‏ بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اک پھول بھی زہراؑ کے چمن مین نہ ملے گا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن مین نہ ملے گا

گرمی کی شدت سے ایک ایک شخص کی حالت ۔

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم ‏ منہ سرخ تہا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
چہرہ بھی عرقناک تھا، اور طبع بھی برہم ‏ فرماتے تھے اشک آنکھون مین بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمہین بھائی نہ ملے گی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یون اکبرؑ مہرو تھے پسینے مین نہائے ‏ جیسے تپِ محرق مین جوان کو عرق آئے
جب چھکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے ‏ ربِّ دو جہان حشر کی گرمی سے بچائے
گزرے گا ہر اک دم، تپشِ دل سے قلق مین
سب تا بہ کمر، ڈوبے ہوئے ہونگے عرق مین

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم ‏ محمل مین گھٹا جاتا ہے، گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہون یہ پسینے کا ہے عالم ‏ برسے گی یون ہی آگ تو جینے کے نہین ہم
ہین ابرِ کرم آپ کرم کیجیے بابا

سایہ کہیں مل جائے تو دم لیجیئے بابا

سنکر یہ بھتیجی کی صدا حضرت عباسؑ | کہتے تھے چچا صدقے تھے ہو، ردو نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس | دم گھٹتا ہے محمل میں تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمہاری ہمیں منظور نہیں ہے
دن ڈھلتا ہے، منزل بھی بس اب دور نہیں ہے

مشکیں لئے سقّے جو سواری کے تھے ہمراہ | بھر لاتے تھے پانی، سپہ فوج شہ ذیجاہ
جسطرح کہ پیاسوں کا ہو مجمع بسر راہ | پانی پہ گرے پڑتے تھے یوں شہ کے ہواخواہ
جنگل میں عطش کا جو تھا صدمہ کہ دم پر
چہرے پہ چھڑکتا تھا کوئی کوئی زرہ پر

گرمی سے بچنے کی تدبیریں

بھرتا تھا دم سرد، پریشان کوئی ہو کے | دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لو سے، ردا چہرے پہ رو کے | رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

کہتے تھے قریں ناقوں کے اکثر شہ ابرار | حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
آندھی ہے گھٹا ٹوپ اُڑے جاتے ہیں پردار | اے بنت یداللہ سکینہؑ سے خبردار
رستا یہ پہاڑوں کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچوں کو چھپائے رہو، لو آج بڑی ہے

محمل سے نظر کرکے یداللہ کی جائی | کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
جس دن سے چھٹا گھر کہیں راحت نہیں پائی | فریاد بہن دھوپ میں سنولا گئی بھائی

کیا بن گئی جنگل میں امامِ دوسرا پر
سایہ بھی درختوں کا نہیں ظلِ ہما پر

صدقے گئی جنگل کی نہ اب دھوپ میں چلیے
دن کاٹیے سایہ میں کہیں رات کو چلیے
منہ دھوئیے دم لیجیے پوشاک بدلیے
لون چلتی ہے آفت کی پہاڑون سے نکلیے

ناشاد ہیں آپ کی غربت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مرجائے تو کیا ہو

مثال ۷۔

لڑائی کی طیاری

طبل جنگ بجنے پر شجاعون کی کیا حالت ہوتی ہے۔

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی اُدھر بھی صف
تیرون نے رخ کیا سوئے ابن شہ نجف
سینون کو غازیون نے اُدھر کر دیا ہدف

تھا بسکہ شوق جنگ ہر یک رشک ماہ کو
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوئے مہوشون کے رنگ
فوجون پہ جا پڑین یہ دلون کو ہوئی اُمنگ
تن تن کے برچھیان جو سنبھالین برائے جنگ
بیچین ہو گئے فرسِ ابلق و سرنگ

پاس ادب سے شاہ کی اک صف بڑھ کے تھم گئی
ایڑی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہین کیا شام و روم کے
ٹکڑے اُڑائین گے عمر و شمر شوم کے

نامرد جو ہین آنکھ چُراتے ہین مرد سے

دونون کو چار کر کے پھرین گے نبرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی

بل کھا کے زلف رخ پہ کسی کے اکڑ گئی
منہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی

نکلا کوئی سمند کو زانون مین داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نعرہ کسی کا بار ہوا آسمان سے

نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے

اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشون سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نام در
کہتے تھے کینچے لئے وہ غیرتِ قمر

لڑ کے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھکر
یارب شکست کوفیون کو دے ہین ظفر

سر کے نہ پھیر و غا مین جو بڑھ کے قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

مثال ۹

بیکسی اور تنہائی

حضرت پہ اُدھر ہوتی ہے اعدا کی چڑہائی
سیدانیان دیتی ہین محمد کی دہائی

تنہا ہین نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
اعدا مین یہ غل ہے کہ کرو تیغ زنی

ڈوبے ہوئے خون مین شہدا گرد پڑے ہین

گھوڑے پہ اکیلے شہِ ابرار کھڑے ہین

ہے تابش خور سے عرق افشان رخِ گلفام — لب خشک ہین پانی کا میسر نہین اک جام

لون چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ظہر کا ہنگام — تنہا پہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہ شام

یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو

بوچھار سے تیرون کے بچاتے نہین تن کو

ہین آگ مین تیغون کے کہڑے پہ نہین کچہ غم — اُمت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم

ہین گرد بیابانمین اُڑے گیسوے پُر خم — نیلے ہین لب لعل یہ ہے پیاس کا عالم

بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی

چھینٹین ہین قبا پر علی اکبرؑ کے لہو کی

ذکرِ غم عباسؑ بہی اصلا نہین کرتے — غیرت سے نظر جانبِ دریا نہین کرتے

خونِ علی اکبرؑ کا بہی دعوا نہین کرتے — امت کے یہ ہین ظلم پہ شکوا نہین کرتے

پانی کے بہی طالب نہین گو تشنہ دہن ہین

کلمے ہین نصیحت کے محبت کے سخن ہین

مثال ۹-

فوج کا داخلہ اور طیاری جنگ

خیمہ مین اُترے یان تو شہِ عرش بارگاہ — آ آ کے اُس طرف بہی اُترنے لگی سپاہ

کوسون علَم کہلے تہے جدہر کیجیے نگاہ — یان تک کہ بند ہو گئی چارون طرف سے راہ

فوجون سے تا بہ صبح زمین رن کی بھر گئی

اک رات مین چڑہی ہوئی ندی اُتر گئی

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دہوم
جسکی جلو میں لاکہہ سواروں کا ہے ہجوم

آ پہونچا شام سے پسرِ سعدِ نحس و شوم
لشکر ہے یہ تازہ جوانانِ شام و روم

بس کہل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بند و بست لڑائی کا ہوئے گا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان
موجوں کی طرح سب نظر آئیں صفیں بیش و بیکران

انداز ہین پہ ظلم کا دریائے بیکران
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادبان

ہلتا تہا دشت کین وہل اس طرح بجتے تھے
باجون کا تہا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنکی وہ رومیوں کے پرستار تھے دل
مکار و اہل نار و دغا باز و پر دغل

خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
شکلیں مہیب دیو سے قد ابروں پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلواریں کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار

غل ہوگیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
"آگے بڑھے چلو" یہ نقیبوں کی تھی پکار

گھوڑوں کے گرد و پیش رئیسانِ شام تھے
زرین کمر جلو میں کئی سو غلام تھے

مثال ۱۰ ۔ حضرت عباس نہر سے مشک بھر چکے ہیں اور واپس آنا چاہتے ہیں، دشمن یہ دیکھ کر ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں حضرت عباسؑ اس کشمکش میں ہیں کہ آپ کو بچائیں یا مشک کو سنبھالیں اس وقت کے مضطربانہ حرکات کی تصویر ۔

اک تشنہ کام لاکھون مین کس کس کو دے جواب
شل ہو گیا تھا بازوے فرزندِ بوتراب
کہتا تھا ہات اُٹھنے کی مجھہ مین نہین ہے تاب
لڑنے مین فکر تھی کہ نہ ضایع ہو مشکِ آب
پروانہ تھی جو بازؤن پر تیر کہاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہ بچاتے تھے

برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
اِک شیر ہے ادہر کبھی بیٹھے اُدہر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازؤن کو علی چوم چوم کے

تکتے تھے مسکرا کے سوے آسمان کبھی
ہونٹون پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زبان کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سنان کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشان کبھی
گھوڑے کو جب بڑہاتے تھے رانون مین داب کے
قدمون سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چھینٹین لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھین مشک پر
دامن سے پوچھتے تھے علمدار نامور
یہ پاس تھا کہ تیغون سے ٹکڑے ہو میر امسر
شُقّہ مگر علم کا لہو سے نہ ہووے تر
اقبال بادشاہِ زمین و زمان رہے
دنیا مین مین رہون نہ رہون یہ نشان رہے

ولہٗ

گر گر کبھی اُٹھے ہے کبھی رکھا زمین پہ سر
اُبلا کبھی لہو، تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت کی، خیام کی جانب کبھی نظر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادہر لی کبھی اُدہر

اُٹھہ بیٹھے جب، تو زخمون سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن مین گڑ گئے، جب مُنہ کے بل گرے

مثال ۱۱-

پردہ کا اہتمام

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
فراشون کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار

روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
پردے کی قناتون سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہین رسولؐ دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے

آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ وہ ٹھہر جائے
دیتے رہو آواز جہان تک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیئے ہین
افلاک پہ آنکھون کو ملک بند کیئے ہین

آ پہونچی جو ناقہ کے قرین دختر حیدرؑ
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر

خود ہاتھہ پکڑنے کو بڑھے سبط پیمبر
تھے پردۂ محمل کو اُٹھائے علی اکبرؑ

فرزند کمربستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اُٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

مثال ۱۲-

مستورات کا محمل سے اُترنا

جمّازہ کہ زینبؑ جو قرین ڈیوڑھی کے پہونچا

کُرسی سے اُٹھے آپ شہ یثرب و بطحا

گرد آکے کیا قاسمؑ و عباسؑ نے پردا	محمل سے اُترنے جو لگی دختر زہراؑ

اک ہاتھ علی اکبرؑ ذی جاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بند ید اللہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہ کو لگائے ہوئے اُتریں	آنسو رخِ انور پہ بہائے ہوئے اُتریں
شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اُتریں	پردا تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُتریں

مثال ۱۳- عون و محمد میدان جنگ میں لڑ رہے ہیں، سیدانیاں دروازہ پر بدحواس کھڑی ہیں حضرت زینبؑ فضہ سے پوچھتی ہیں کہ میرے بچے کیا کر رہے ہیں؟ وہ جواب دیتی ہے ؎

سیدانیاں دروازہ پہ تھیں کھولے ہوئے سر	اصغرؑ کو لئے کانپتی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشان، کئے منہ خیمہ کے اندر	پردہ سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر

بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

وہ رُخ پہ نظر آتے ہیں، اُڑتے ہوئے گیسو	وہ تیغ ہیں بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لیے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفا جو	وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو

بہتا ہے لہو چھاتیوں سے۔ جو ہیں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

مثال ۱۴- حضرت عباسؑ نہر کے کنارے پہنچے ہیں۔ گھوڑا کئی دن کا پیاسا تھا۔ پانی دیکھ کر بیتاب ہو گیا ہے، لیکن چونکہ تمام قافلہ پیاسا ہے، حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہیں۔ اس وقت گھوڑے کی حالت ؎

دو دن سے بے زبان پہ جو تھا آب دانہ بند	دریا کو سونگھ کے لگا دیکھنے سمند

ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند — چمکارتے تھے حضرتِ عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شورِ آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

مثال ۱۵ - حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدانِ کربلا مین داخلہ، رُفقا سے خطاب، اور نوجوانون کی سیر و تفریح

اُترا یہ کہہ کے کشتیٔ امت کا ناخدا — جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا — دیکھو تو، کیا ترائی ہے؟ کیا نہر؟ کیا فضا

اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند — کیون یہ مقام ہے تمہین شاید بہت پسند
کی مسکرا کے، عرض کہ اے شاہِ ارجمند — بس یان تو خود بخود ہوئی جاتی ہین آنکھ بند

شبیر اب یہین رہین گے عنایت جو رب کی ہے
مین کیا کہون حضور، ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہان سے بڑھے آپ چند گام — گویا زمین کی سیر کو اُترا مہِ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام — شکلین وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام

زلفین ہوا مین اُڑتی نہین؟ ہاتھون مین ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

مثال ۱۶

تمام رفقا کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ کی بیکسی، اور دشمنون کا نرغہ

مومنو خانۂ زہراؑ پہ تباہی ہے آج — گھر پہ سادات کے پانی کی مناہی ہے آج

تن تنہا خلفِ شیرِ الٰہی ہے آج
خلق سے سبطِ نبیؐ خلد کو راہی ہے آج

قتل کی بیکس و مظلوم کی تدبیرین ہین
اک نبیؐ زادہ ہے اور سیکڑون شمشیرین ہین

نیزے تانے ہوئے اُمڈے چلے آتے ہین سوار
ہین کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
تیغین کھینچے ہوئے جو گرد کھڑے ہین جو سوار
غل ہے مہلت نہ ملے سبطِ نبیؐ کو زنہار

برق شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جسطرف دیکھتے ہین موت نظر آتی ہے

نہ ہے غمخوار نہ ہمدرد نہ یاور کوئی
نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
نہین اتنا ہے خبر پوچھے جو آکر کوئی
ایک اللہ تو ہے اور نہین سر پر کوئی

تھے جو غمخوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہین
اپنی تنہائی پہ شاہ دو جہان روتے ہین

جسم پر تیغ لگاتا ہے کوئی اور کوئی تیر
خون مین سر تا بقدم تر ہین جنابِ شبیرؑ
رو کے فرماتے ہین اعدا سے کہ اے قوم شریر
کیا گنہ ہے مجھے کیون مارتے ہو بے تقصیر

یون ستاؤ نہ کہ مین مرگ پہ آمادہ ہون
رحم لازم ہے کہ سید ہون نبیؐ زادہ ہون

کوئی سنتا نہین فریادِ امامِ عالی
برچھیان چلتی ہین اور ہوتے ہین ترکش خالی
ماہِ زہراؑ پہ فلک نے یہ مصیبت ڈالی
خون مین تر زلفین ہین یا تنگ ہے پریشان حالی

زخم تلوارون کے خاموش کھڑے کھاتے ہین
غش مین جھکتے ہین کبھی گاہ سنبھل جاتے ہین

لاشۂ اکبرؑ و عباسؑ جو آتا ہے نظر
روکے فرماتے ہین بیٹے سے کہ ای جانِ پدر
تھام لیتے ہین کلیجہ کبھی اور گاہ جگر
ایسے غافل ہوکہ لیتے نہین باباکی خبر
مرے پیارے مرے جانی مرے دلبر اُٹھو
ہم پہ تنہائی ہے اُٹھو علی اکبرؑ اُٹھو

لاش عباسؑ سے کرتے ہین یہ شبیرؑ بیان
وقتِ امداد و اعانت ہے برادر قربان
اے مرے یار وفادار مرے شیر جوان
چھوڑ کر ہمکو لعینون مین سدہارے ہو کہان
لاکہہ ملعونون نے میدان مین ہمین گھیرا ہے
تمنے بہائی سے عجب وقت مین مُنہ پھیرا ہے

کہتے تھے اہل ستم حال سُناتے ہوکسے
کون ہے بیکس و مظلوم دکہاتے ہوکسے
مرگئے اکبرؑ و عباسؑ بلاتے ہوکسے
چونکتے ہین کہین مردے بہی جگاتے ہوکسے
حلق پہ خنجرِ خونخوار پھرا دیتے ہین
اب تمہین بہی اسی مقتل مین گرا دیتے ہین

روکے فرماتے ہین یہ فوجِ ستمگار سے شاہ
غم مین اپنون کے کیونکر نہ کرون نالہ و آہ
ذبح ہونے کی مجھے عید ہے خالق ہے گواہ
اُن کو رووُن گا مین جبتک کہ جیون گا واللہ
بہولتا ہے کوئی اسطرح کے غمخوارون کو
یاد کرتے ہین وفادار وفادارون کو

دشت مین چلتی ہے لون دہوپ کی شدت سے کمال
سُرخ ہے خون سے قبا دہوپ سے رخسار ہے لال
جیٹھہ بیساکھ کے ایام ہین اور وقتِ زوال
نکلی آتی ہے زبان مُنہ سے یہی پیاس کا حال
تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے

ریت اڑ اڑ کے ہر اک زخم میں بھر جاتی ہے

تیر بیٹھا ہے جو اس چاند سی پیشانی پر
خون کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
ہے عجب بیکسی اس فاطمہ کے جانی پر
کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر

تیغیں کھا کھا کے لبِ خشک جو دکھلاتے ہیں
تیر اودھر سے عوضِ جرعۂ آب آتے ہیں

جوں کمان کٹ کے تنک آئے ہیں ابروئے خمدار
ہیں لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھیں گلنار
بوسے جن ہونٹوں کے لیتے تھے رسولِ مختار
پیاس سے سوکھ گئے ہیں وہ لبِ گوہر بار

چاند شرمندہ تھا جن پھول سے رخساروں سے
چاک ہیں مثلِ کتان ظلم کی تلواروں سے

زخمی ہیں ابن ید اللہ کے دونوں بازو
ہاتھ ہیہات کہ بیدست ہیں اب بے قابو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو
انگلیاں ایسی ہیں زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو

پر یہ سہتے ہیں امتِ محبوبِ خدا کی خاطر
زخمی ہاتھوں کو اٹھائے ہیں دعا کی خاطر

سخت آفت میں ہے وہ پشت و پناہِ عالم
کرب اک یہ ہے بہ غمِ عباس ستم
علی اکبر کی جوانی کا ہے جانکاہ الم
زانو پہ مارتے ہیں دستِ تاسف ہر دم

وار سے تیغوں کے اعضا سے بدن کٹتے ہیں
کبھی [illegible] پر کبھی برچھیوں سے [illegible] ہیں

ساتھ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار
کبھی سو تیر ہیں گردن سے کبھی [illegible]

یاں سے خون کی بوندین ہین ٹپکتی ہر بار | نہ کھڑے رہنے کی طاقت ہے نہ تاب رفتار

تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہین سکتا ہے
پھیر کر مُنہ شہ والا کی طرف تکتا ہے

شاہ فرماتے ہین اے میرے رفیق وہمدم | ہے مجھے اپنے عزیزون کے برابر ترا غم
ہمسے تو چھٹتا ہے اب تجھسے جدا ہوتے ہین ہم | مر کے بھی تجھکو نہ بھولون گا مین خالق کی قسم

خلق سے سوے عدم کوچ کی تیاری ہے
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

دیکھ لے تیری طرح مین بھی ہون زخمی واللہ | فاقہ مجھپر بھی ہے اور تو بھی ہے بے دانہ و کاہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ | تین دن گذرے ہین پانی سے نہین ہون آگاہ

تو زبان خشک جو مُنہ پھیر کے دکھلاتا ہے
پسرِ ساقیِ کوثر کو حجاب آتا ہے

مثال ۱۷۱- اس سین کو ایک دوسرے موقع پر دکھایا ہے

آج شبیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے | ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اُس طرف لشکرِ اعدا مین صف آرائی ہے | یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے

برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگارون مین

زخمی بازو ہین کمر خم ہے بدن مین نہین تاب | ڈگمگاتے ہین نکل جاتی ہے قدمون سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہین آنکھین پُر آب | تیغ سے دیتے ہین ہر وار کا اعدا کو جواب

شدتِ ضعف مین جس جا پہ ٹھہر جاتے ہین

سیکڑون تیر ستم تن سے گذر جاتے ہین

گیسو آلودۂ خون لپٹے ہین رخسارون سے
تیر پیوست ہین خون بہتا ہے سوفارون سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہین تلوارون سے
لاکھ آفت مین ہے اک جان دل آزارون سے

فکر ہے سجدۂ معبود مین سر دینے کی ❊
وار سے تیغون کے فرصت نہین دم لینے کی

خون مین تر پیچ عمامے کے ہین سر زخمی ہے
سینہ سب برچھیون سے تا بہ کمر زخمی ہے
ہے جبین چاند سی پُر نور مگر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے

ضرب شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیرون سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی آ کر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بند آنکھین ہین سر پاک جُھکا جاتا ہے

گرد زہرا و علیؑ گریہ کنان پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امام دو جہان گرتے ہین

گرتے ہین قطرۂ خون زخم جبین سے پیہم
فکر ہے بخشش امت کی کچھ اپنا نہین غم
دست مجروح سے کچھ سکتے نہین تیر ستم
کرتے ہین حمد خدا خشک زبان ہے ہر دم

ہے عبا تیرون سے غربال قبا گلگون ہے
ہونٹ یاقوت سے زخمی ہین دہن پُر خون ہے

زین سے ہوتا ہے جدا دوش محمدؐ کا مکین
برچھیان گرد ہین اور بیچ مین ہے سرور دین
چمن فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمین
ہے یہ نزدیک گرے مہر نبوت کا نگین

پانوں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے ہین
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہین

لاکھ شمشیرین ہین اور ایک تنِ اطہر ہے
ایک مظلوم ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
سیکڑوں خنجر فولاد ہین اور اک سر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے

باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اٹھا سکتے نہین
سامنے اہل حرم روتے ہین جا سکتے نہین

کوئی سید کا نہین آہ بچانے والا
حربے لاکھوں ہین اور اک زخم اٹھانے والا
پیاس ہین کوئی نہین پانی پلانے والا
سینہ ہے اس طرح بھالوں برچھیان کھانے والا

چرخ سے آگ برستی ہے زمین جلتی ہے
مارے گرمی کے زبان خشک ہے لو چلتی ہے

کہین دم لینے کو سایہ نہین ہے وقتِ زوال
اینٹھی جاتی ہے زبان پیاس کی شدت کمال
کبھی زینبؑ کا ہی غم گاہ سکینہؑ کا خیال
دل جو ہلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہین نڈھال

مثلِ خورشید بدن ضعف سے تھراتا ہے
نیرِ برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہین ظالموں سے خشک زبان دکھلا کر
بھر کے حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
اہل کین کہتے ہین یہ تیغِ ستم چمکا کر
آب شمشیر پیو [illegible] کھا کر

یہ سخن سن کے بھی غصہ نہین فرماتے ہین
پاس [illegible] دیکھ کے رہ جاتے ہین

عرض کرتے ہین یہ خالق سے کہ اے رب غفور
تو ہے عالم کہ نہین کچھ مرے بندوں کا قصور

کرتے ہین یہ مجھے بیجرم وخطا تیغون سے چور	ہاتھ امت پہ اُٹھانا نہین مجھکو منظور	
	جانتے ہین کہ محمدؐ کا نواسا ہون مین پانی دیتے نہین دو روز کا پیاسا ہون مین	

واقعہ نگاری

اُردو زبان کا ایک مشہور انشا پرداز لکھتا ہے۔

"فارسی مین صدہا نظم ونثر کی کتابین ہین جن کے خیالات، باریکی اور تاریکی عبارت مین جگنو سے اُڑتے نظر آتے ہین لیکن کیا حاصل؟ اس انداز مین اصلی ماجرا ادا کرنا چاہو تو ممکن نہین، ایسی ماں کا دودھ پی کر اُردو نے پرورش پائی تو اسکا کیا حال ہوگا"

فارسی کے متعلق تو یہ الزام تسلیم نہین کیا جاسکتا، لیکن کچھ شبہ نہین کہ اُردو مین جس چیز کی بڑی کمی ہے وہ یہی واقعہ نگاری ہے، شاعری کی جو صنفین اُردو مین آئین، وہ قصیدہ اور غزل تھی، ان دونون کو واقعہ طرازی سے کوئی نسبت نہ تھی، مثنویان جو لکھی گئین وہ مورخانہ نہین بلکہ عاشقانہ تھین، اس لئے اصلی واقعات کے اظہار کی چندان ضرورت پیش نہین آئی اُردو زبان کی نسبت جو کم مائگی کی شکایت ہے وہ زیادہ تر اسی لحاظ سے ہے کہ وہ ہر قسم کے واقعات، معاملات، کاروبار ــ معاشرت، کے جزئیات کے ادا کرنے پر قادر نہین، اسی بنا پر اگر اُردو نظم مین، کوئی تاریخ کی کتاب لکھنا چاہین تو نہین لکھہ سکتے،

واقعہ نگاری کی دو قسمین ہین،

(۱) واقعہ نگار کسی تاریخی واقعہ کو بےکم وکاست نظم کردے، اسکے لئے صرف زبان پر قدرت درکار ہے شاعری کی چندان ضرورت نہین۔

(۲) واقعہ، اجمالاً معلوم ہے، لیکن واقعہ نگار، واقعہ کے تمام جزئیات اور حالات، اپنی طبیعت سے پیدا

کرتا ہے، وہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے موقع پر فطرت کا اقتضا کیا ہے،
ان تمام چیزون کو وہ موجود فرض کرلیتا ہے اور ان کو ادا کرتا ہے۔

اس قسم کی **واقعہ نگاری** کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے بالکل بیان واقعی ہو، اور تمام واقعات مین اس قسم کا تناسب، ربط، اور موزونی ہو کہ کسی واقعہ کی نسبت، شک کا احتمال بھی نہ آنے پائے۔
اس قسم کی واقعہ نگاری کے لیے صرف قدرت زبان کافی نہین، بلکہ فطرت کا بڑا نکتہ دان ہونا درکار ہے،

مثلاً شاعر احباب کی جدائی کا واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو اسکو اُن تمام جزئی کیفیتون پر نظر ہونی چاہیے جو اس حالت مین پیش آتی ہین مثلاً یہ کہ اس حالت مین ایک دوسرے کو کس حسرت آمیز نگاہ سے دیکھتا ہے؟ کس قسم کی باتین کرتا ہے؟ کن باتون سے دل کو تسلی دیتا ہے؟ رخصت کے وقت بے اختیار کیا حرکات صادر ہوتے ہین، آغاز کی کیفیت، کس طرح بتدریج ترقی کرتی جاتی ہے؟ حاضرین پر ان سے کیا اثر پڑتا ہے؟ پھر جدائی جدائی مین بھی فرق ہے، باپ بیٹے کی جدائی، بھائی بھائی کی جدائی، زن وشو کی جدائی۔ احباب کی جدائی، ان مین سے ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہین، ان مختلف، اور کثیر الانواع خصوصیات کا احاطہ کرنا، اور ان کو موثر پیرایہ مین ادا کرنا شاعرانہ واقعہ نگاری ہے،

اسی طرح لشکر کشی، معرکہ آرائی، فتح و شکست، سفر و حضر۔ بیماری و موت، قید و بند۔ دشت نوردی و بادیہ پیمائی، سیکڑون ہزارون واقعات ہین، اور ہر واقعہ کی سیکڑون جزئیات ہین، ان تمام کا احاطہ کرنا، اور اُن کو ہو بہو ادا کر سکنا، کمال شاعری ہے۔

اُردو زبان مین چونکہ ایک مدت تک بیہودہ مبالغہ اور خیال بندی کی گرم بازاری رہی، اس لئے واقعات کے ادا کرنے کے لئے جو الفاظ۔ ترکیبین، اصطلاحات مقرر ہین، استعمال مین نہین آئین اس لئے آج نئے سرے سے ان کو استعمال کیا جائے تو یا ابتذال یعنی عامیانہ پن یا غرابت یعنی روکھا پن پیدا ہوجاتا ہے، نظیر اکبرابادی کے کلام مین جو سوقیانہ پن ہے، اسکا یہی راز ہے۔ میر حسن نے اپنی مثنوی مین

اکثر واقعات کا سمان دکہانا چاہا ہے اور یہ ان کی صحیح المذاقی کا نتیجہ ہے لیکن اکثر جگہہ ابتذال پیدا ہو گیا ہے،

ع کرٹے کو کڑے سے بجاتی چلی، اگر واقعہ نگاری ہے، تو شعرا نے اچھا کیا کہ واقعہ نگاری سے الگ ہے۔

واقعہ نگاری جب کمال کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو اسکو مُرقّع نگاری کہتے ہین جسکو آج کل کی زبان مین کسی چیز کا سمان دکہانا، یا سین دکہانا کہتے ہین۔

میر انیس نے، واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے، اُردو کیا فارسی مین بھی اسکی نظیرین مشکل سے مل سکتی ہین، اُنکے کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

(۱) ہر قسم کے واقعات و معاملات و حالات اس کثرت سے نظم کیے ہین کہ واقعہ نگاری کی کوئی صنف باقی نہین رہی جو اُنکے کلام مین نہ پائی جاتی ہو۔

(۲) کوئی واقعہ جب سامنے آتا ہے تو عام نگاہین، صرف نمایان باتون پر پڑتی ہین اور اس لیے جب لوگ اُن کو بیان کرنا چاہتے ہین، تو انھی نمایان باتون کو بیان کرتے ہین، لیکن ایک دقیق النظر اُن تمام جزئیات پر بھی نظر ڈالتا ہے، اور اُن کو ظاہر کرتا ہے یہ جزئیات جب ادا کیے جاتے ہین تو سامعین پر اسطرح کا اثر پڑتا ہے گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی، اسکے علاوہ واقعہ کی پوری پوری تصویر کھینچنے سے دل پر ایک خاص اثر پڑتا ہے ۔ یہ جزئیات، اکثر شعرا نظر انداز کر جاتے ہین جسکی وجہ اکثر تو یہ ہوتی ہے کہ اُن پر عام نگاہین پڑ نہین سکتین، اور زیادہ تر یہ کہ ہر شخص اُن کے ادا کرنے پر قادر نہین ہوتا، لیکن میر انیس چونکہ فطرت اور معاشرت انسانی، کے بہت بڑے رازدان ہین، اس لیے دقیق سے دقیق، اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی اُنکی نظر سے بچ نہین سکتا اسکے ساتھ زبان پر یہ قدرت ہے، کہ کہین اُنکو دقت پیش نہین آتی،

مثلاً ایک موقع پر گہوڑے کی تیز روی کو لکھا ہے قاعدہ ہے کہ گھوڑا جب حد سے زیادہ تیز دوڑتا ہے تو اکثر اُسکی دونو کنوتیان کھڑی ہو کر مل جاتی ہین، اسکو بعینہ اسطرح ادا کیا ہے،

ع دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین۔

حضرت عباسؑ، جب نہر کے پاس پہنچے ہین، تو گھوڑا جو کئی دن کا پیاسا تھا، پانی دیکھکر بیتاب ہوگیا ہے لیکن حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین، اس موقع پر واقعہ کی اصل صورت کھینچنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس کشمکش کے موقع پر جو اضطرابی حالت پیش آسکتی تھی، وہ دکھائی جائے چنانچہ میر انیس کہتے ہین ؎

واقعہ کی جزئیات

دو دن سے بیزبان پہ جو تھا آب و دانہ بند	دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند	چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

یا مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سامنے اُن کے ترسانے کو جب عمر بن سعد نے پانی منگوا کر پیا ہے، اس موقع پر کہتے ہین، ع ظالم نے ڈگڈگا کے پیا سامنے جو آب،

ڈگڈگا کے پانی پینا، ایک معمولی اور غیر مہتم بالشان واقعہ ہے لیکن ایک تشنہ لب کے ترسانے کے مضمون مین اسکا اظہار، حسن بلاغت کا ایک بڑا ضروری نکتہ ہے۔

یا مثلاً ایک موقع پر گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت کو لکھا ہے، ع وہ ہات، ہٹکے آپ نے رکھا ایال پر، گھوڑے سے ذرا ہٹ کر ایال پر ہات رکھنا، اور سوار ہونا، سواری کی مخصوص حالت ہے، اس لئے واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے اس حالت کا دکھانا ضرور تھا۔

یا مثلاً حضرت شہربانو جب اپنی بیٹی صغراؑ سے رخصت ہونے لگی ہین، تو اصغرؑ کی طرف سے جو صرف چھ مہینے کے تھے، رخصت کے معمولات ادا کرائے ہین اس موقع پر اکثر مستورات کا دستور ہے کہ بچے کا ہات اُسکی پیشانی پر رکھکر، کہتی ہین کہ دیکھو یہ تمہین سلام کرتے ہین اس حالت کو بعینہ ادا کیا ہے ؎

بانو نے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھ کر	لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغرؑ

یا مثلاً جوانانِ اہل بیت کی سیر و خوش خرامی کے موقع پر لکھتے ہین ؎

زلفین ہوا مین اُڑتی تہین، ہاتو نمین ہات تھے	لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھہ ساتھہ تھے

یا مثلاً جب رفقاے امام علیہ السلام صف نماز سے لڑائی کے لئے اُٹھے ہین اس موقع پر لکھتے ہین ؎

طیار جان دینے پر چھوٹے بڑے ہوئے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھہ کھڑے ہوئے

یا مثلاً حضرت عباسؑ، جب گھوڑا اُڑاتے ہوئے نہر کی طرف گئے ہین، تو دریا کے نگہبانون سے جو نشیب مین تھے اُسوقت آنکھہ چار ہوجاتی تھی، جب گھوڑا زیادہ اُنچا اُڑ جاتا تھا، اس حالت کو اسطرح ادا کیا ہی ؎

برچھیون اُڑتا تھا دب دبکے فرس رانون سے	آنکھہ لڑجاتی تھی دریا کے نگہبانون سے

یا مثلاً سکینہؑ جب قیدخانہ مین دربانون سے اپنا حال کہنے گئی ہین وہان لکھا ہے، ؎

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر	دیوار پکڑ پکڑ کے گئی وہ قریب در
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر	دربانون جاگتے ہو کہ سوتے ہوئے بیخبر

بیکس ہون، تشنہ لب ہون، فلک کی ستائی ہون
کچھہ تم سے اپنا حال مین کہنے کو آئی ہون

دو حریفون کی معرکہ آرائی کو جہان ہمزاد بیر وغیرہ لکھتے ہین، صرف عام طرح پر اوپری اوپری باتین لکھہ دیتے ہین یہ مطلق پتہ نہین چلتا کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکہائے، لیکن میر انیس اکثر جگہہ اُن خصوصیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہین، اور یہ انکی قدرت زبان کی سب سے بڑی دلیل ہے، مثالین رزمیہ کے عنوان مین آئینگی، اب ہم ہر قسم کی واقعہ نگاری کی چند مثالین درج کرتے ہین،

ا حضرت امام حسینؑ کا کربلا مین داخلہ، دشمنون کی روک ٹوک، رفقاے امام کی برہمی، امام علیہ السلام کی صلح پسندی اور درگذر وغیرہ وغیرہ ؎

اُترا یہ کہکے کشتی امت کا ناخدا	جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا

حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند
کیوں یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہ ارجمند
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شبیرؑ اب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے
بس کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام
گویا زمین کی سیر کو اُترا مہِ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام
نکلیں وہ نور کی وہ تجلی وہ احتشام
زلفیں ہوا میں اُڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکنے لگے پہاڑوں کو مسلمؑ کے دونوں لال
پھولوں سے کھیلنے لگے زینبؑ کے نونہال
سبزے سے واں کے ابن حسنؑ خوش ہوئے کمال
کی عرض اس زمین کا ہر اک گل ہے بےمثال
اے خسرو زمین یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں عطر عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوئے دریا شہ امم
الیاس شاد ہو کے پکارے بصد حشم
اُچھلیں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم
بولے حباب آنکھوں پہ شاہا ترے قدم
پانی میں روشنی ہوئی حسن حضور سے
لیں بلائیں پنجۂ مرجان نے دور سے

ٹھہرے کنارے نہر جوانان ماہرو | دہویا کسی نے رخت کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنار جو | بھر لائے اشک آنکھون مین شبیر نیکخو

کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھکر
ہاتھون سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھکر

بولے یہ ہاتھ جوڑکے عباسِ نامور | خیمہ کہان بپا کرین یا شاہ بحر و بر
ایذا ہے محملون مین بہت اہلبیت پر | بچے ہین نازکی مین گلون سے زیادہ تر

کب سے عماریون کے ہین پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہین سبھون کے رکے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دوعالم نے یہ کہا | زینبؑ جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسِ باوفا | جاکر قریبِ محملِ زینبؑ یہ دی صدا

حاضر ہے جان نثار امامِ غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سنکے دخترِ خاتونِ روزگار | اس امر مین بھلا مجھے کیا دخل مین نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار | ہر جا مسافرون کا نگہبان ہے کردگار

مختار کائنات کے تم نورِ عین ہو
اُترو وہان جہان مرے بھائی کو چین ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر | کن آفتون مین پانچ مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیان یہ گرمی کے ایام یہ سفر | دن بھر چلے ہین دھوپ مین جاگے ہین رات بھر

گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اُجاڑ تھا

ایک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا

آج اس زمین پر ہمین لایا ہے آسمان
اب دیکھیے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہان
آقا کی خیریت کی دعا مانگو بھائی جان
یا رب مسافرون کو مبارک ہو یہ مکان
دشمن بہت ہین بادشہِ خوش خصال کے
بھائی بہن نثار ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمین کی سُنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو محسن ہین اُن سے بھی لازم ہے مصلحت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل پہ دشمنون مین کسی کا عمل نہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ ردّ و بدل نہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
تشویش کچھ نہ کیجیے اے بنتِ مرتضا
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا
لیکن ترائی سے کوئی بہتر نہین ہے جا
جو مہر فاطمہؑ مین ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی مین قرب نہر کا آبِ حیات ہے

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جان نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضور سبطِ پیمبر وہ ذی وقار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اُترین یہین یہ مرضی آلِ رسول ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سُن کے خادمون کو پکارا وہ مہ جبین
فرّاش آ کے جلد مصفا کرین زمین
حاضر ہون آب پاش محل دیر کا نہین
یان ہو گا خیمۂ حرمِ بادشاہِ دین

جلد اُن کو بھیجو لوگ ہین جو کاروبار کے
لے آوٗ اشترون سے قناتین اُتار کے

بولے زہیر قین کہ حاضر ہین سب غلام
بڑھکر حبیب بھی ہوئے مصروف اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھہ گئے اک طرف امام
رتبے مین ہوگئی وہ زمین عرش احتشام
پرتو فگن تھا نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چتر زری آفتاب کا

تھا فکر مین خوشش دوعالم کا تاجدار
کھلوا رہے تھے خیمون کو عباس ذی وقار
ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار
مڑکر کہا حبیب نے کچھہ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یہ ذکر تھا کہ بن مین سیاہی سی چھا گئی
ڈنکے کی دشت ظلم سے کوسون صدا گئی
گھوڑون کے دوڑنے سے زمین تھرتھرا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آگئی
اک ایک پیل زور تہمتن شکوہ تھا
ابن رکاب سبز قدم سرگروہ تھا

بولے ملازمون سے یہ عباسؑ باوفا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے انکا کیا؟
اترتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کونسا؟
کہدو کہ اہلبیت کے خیمہ کی ہے یہ جا
لازم رسول زادیون کا احترام ہے
اُترین الگ کہین یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشین ہے لخت دل سید البشر
آئین خسروی سے یہ واقف نہین مگر

آتی ہے اُڑ کے گھوڑون کی ٹاپون سے گرد اِدہر — کیا ہے جو روکتے نہین باگین یہ خیرہ سر

بھولے ہوئے ہین اسپ کہ ہم خاکسار ہین
شاید ہوا کے گھوڑون پہ ظالم سوار ہین

اُس فوج کے رئیس نے بڑھکر کیا کلام — حکمِ امیر ہے یہین اُترے سپاہِ شام
چھوڑینگے ہم اُسے کہ جو راحت کا ہے مقام — دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجیے خیام

لشکر کشی ہے بادشہِ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہونگے فرات پر

کوفے سے کل جوان ادہر آئے ہین دس ہزار — رستے مین شام کے ابھی فوجین ہین بیشمار
خالی ہین منزلین نہ بیابان نہ کوہسار — شہرون سے پرگنون سے چلے آتے ہین سوار

لاکھون ہین کوئی قبل کوئی بعد آئیگا
گیتی ہلیگی جب پسرِ سعد آئیگا

فوجون کا جائزہ تہا وہان ہم چلے تہے جب — گردے مین بیس کوس کے لشکر پڑا تہا سب
دستون کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب — اس ارض پر نہو جو سمائی تو کیا عجب

کیجیے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہین کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گہاٹ روکنے کے لیئے آئے ہین ادہر — ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی مین گونجا وہ شیر نر — تیوری چڑہا کے تیغ کے قبضہ پہ کی نظر

کم تہا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم شکار سے

غصے مین رکھہ کے دوش پہ شمشیر برق دم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے چھٹینگے ہم
گرتا ہے کٹ کے سر وہین جس جا جمے قدم
پھیرین جو شیر سامنے آتا نہین کوئی
یہ آنکھہ وہ ہے جس مین سماتا نہین کوئی

تم کون ہو حسینؑ ہے مختار خشک و تر
دیکھو فساد ہوگا بُرا ہوگے اگر ادھر
ان کے سوا ہے کون شہنشاہِ بحر و بر
شیرون کا یان عمل ہے تمھین کیا نہین خبر
سبقت کسی پہ ہم نہین کرتے لڑائی مین
بس کہدیا کہ پاؤن نہ رکھنا ترائی مین

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
بلوہ جو ہو گیا سمٹ آئے سوار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھہ اُس دلیر سے
ایک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

بگڑے ابو ثمامہ و سعدِ فلک سریر
جوڑا کمان مین ابن مظاہر نے ایک تیر
تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر
عباس کو غیظ لشکر بد خو پہ آگیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین
بولے پکڑ کے تیغ کے زینبؑ کے مہ جبین
قبضے پہ ہاتھہ رکھکے بڑھے اکبر حسین
شیرون سے کیا ترائی کو لین گے یہ اہلِ کین
کہیے تو نیزہ بازون کو ہم دیکھہ بھال لین

تیوری کوئی چڑہائے تو آنکھین نکال لین

آگے تہے سب کے حضرت عباسؑ ذی حشم
بڑھ بڑھ کے روکتے تہے دلیر و نکو و مبدم
تیغین جو تولتے تہے ادہر بانی ستم
کہتے تہے سر نہو گا بڑہایا اگر قدم

لرزہ تہا رعب حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تہا ایک شیر جری دس ہزار کو

بڑہتا تہا جو ستا ہوا جس دم وہ شیر نر
گرتا تہا کوئی ڈر کے ادہر اور کوئی اُدہر
تیغین جو کج کیئن تو ہوا اور شور و شر
گھبرائے اہلبیت شہنشاہ بحر و بر

آغوش مین پہوپی کے سکینہؑ دہل گئی
غل پڑگیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدون سے کیا سبب کینہ و عناد
دیکھے کوئی کدہر ہین شہنشاہ خوش نہاد

ہمشیر کو نثار امام امم کرو
لوگو دعائین اکبرؑ مہرو پہ دم کرو

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
بلوہ کنار نہر ہے اے بنت مرتضیٰؑ
نیزے بڑہا بڑہا کے ہٹاتے ہین اشقیا
قبضے پہ ہاتہ رکھے ہین عباسؑ باوفا

کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت کو بجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؑ پکارین پیٹ کے زانو بصد ملال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا اُنہین جلال
کہدے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال
غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال

قربان ہوگئی نہ لڑائی کا نام لو
مین ہاتھہ جوڑتی ہون کہ غصے کو تھام لو

یہ بات کہکے رونے لگی خواہر امام
کرسی سے جلد اُٹھہ کے پکارے شہِ انام
عباسؑ اُدہر غضب مین ہے سوی فوج شام
بھتیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام

یکسان ہے بر و بحر ہماری نگاہ مین
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ مین

آؤ تمھین قسم ہے جنابِ امیرؑ کی
ہمراہ بیٹیان ہین شہ قلعہ گیر کی
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
سب سے جدا ہی چاہیئے منزل فقیر کی

کیا وشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے؟

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم
پر تھی شکن جبین پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہ اُمم

غیظ اور ادب۔

گردن جھکا دی تا نہ ادب مین خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھون سے لیکن نکل پڑے

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور
حکمِ خدا ہے حکمِ شہنشاہ بحر و بر
کہدیجیے ان سے کاٹ کے لیجائین میرا سر
اب کچھ کہون زبان سے کیا تاب کیا جگر

مین ہون غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

گردن مین ہاتھہ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
کیون کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا کیا

لو اب اٹھاؤ تیغ وسپر تم یہ مین فدا	دریا کو تم تو ے چکے اے میرے مدعا

وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی مین
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی مین ✤

٭ حضرت عباسؑ جب میدان جنگ مین گئے ہین تو شمر نے یہ ترغیب دی کہ ناحق آپ اپنی جان کیون گنواتے ہین اُدہر سے ٹوٹ کر ہماری طرف آجایئے تو منصب اور جاگیر اور کیا کچھہ نہ ملے گا، حضرت عباسؑ نے نہایت برہم ہو کر اسکی درخواست کو رد کیا، یہ سوال وجواب ہو رہے تھے کہ دشمنون نے یہ خبر اُڑا دی کہ عباسؑ ہماری طرف آگئے، اہل بیت اور خاص کر حضرت عباسؑ کی بیوی پر اس وقت جو اثر ہوا، اور جو باتین ہوئین ان کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

وان شمر و علمدار مین ہوتی تہی یہ تقریر	یان خیمے کی ڈیوڑہی پہ کھڑے تھے شہ دلگیر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالم بے پیر	چلایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوے شبیرؑ

اس فوج مین فرزند امیرِ نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا ✤

اکبرؑ سے یہ بولا پسرِ مخبرِ صادق	کاذب ہین جفا کار ہین مفسد ہین یہ فاسق
یہ بات نہین رتبۂ عباسؑ کے لائق	وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق

بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا
عباسؑ علی مجھہ سے بُرائی نہ کرے گا

ناموس نبی مین بھی یہ چرچا ہوا اک بار	زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانون گی مین زنہار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسِ علمدار	کیا ماجرا ہے بی بی ہو مجھہ سے کرو اظہار

ہے دیر سے[۵۱] اک شور بپا لشکر کین مین
وارث مرا کیا قید ہوا لشکر کین مین

بولی یہ سکینہؑ[۵۲] کہ چچی تم سے کہون کیا
اور کہتے ہین آپسمین خوشی ہوکے یہ اعدا
روتے ہین کمر پکڑے ہوے ہاتھونسی بابا
عباسؑ ملا ہمسے شہ دین ہوئے تنہا

اس صدمے سے ننہا سا کلیجہ مرا شق ہے
مین پیاس ہی بہول ہون یہ عمو کا قلق ہے

چپکے سے سکینہ نے کہا جب یہ بصد یاس
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑہی کے گئی پاس
غرق عرق شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
پہر سوچ کے کہتی تہی کہ بیجا ہے یہ وسواس

قوت شہ والا کی اُنہین سے تو فقط ہے
عباسؑ پہرے شہ سے؟ نہ مانونگی غلط ہے

بہائی کو وہ پیارے ہین اُنہین بہائی ہے پیارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
عاشق کہین معشوق سے کرتے ہین کنارا
قسمت ہی اولٹ جائے تو اسکا نہین چارا

لیکن فلک اسطرح سے گرتے نہین دیکھا
بہائی کو کبھی بہائی سے پہرتے نہین دیکھا

اس سوچ مین پہرتی تہی سراسیمہ و مضطر
اسکا بہی نہ تہا ہوش کہ کب گرگئی چادر

۵۱ یہان عجب بلاغت کا اظہار کیا ہے۔ حضرت عباسؑ کی بیوی لوگون سے، واقعہ کو تحقیق کرنا چاہتی ہین لیکن یہ اُن کے زبان سے نہین نکل سکتا کہ "کیا درحقیقت، عباسؑ دشمنون سے مل گئے" اس لئے انھون نے اس پیرایہ مین سوال کیا کہ کیا دشمنون نے اُنکو قید کرلیا یعنی اگر وہ دشمنون کے مجمع مین چلے بہی گئے تو قید ہوکر گئے ہونگے ورنہ یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ دشمنون سے جاکر مل جائین۔ منہ

۵۲ اس بلاغت کو دیکھو کہ اہل حرم سے کسی نے، اس جہوٹی خبر کا زبان پر لانا بہی نہ چاہا لیکن سکینہؑ بالکل بچی تہین اسلئے اُنہون نے جو سنا تہا بیان کردیا

رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر
دھڑکا تھا کہ اب کیا کہینگے آن کے سرور

یارب نہ سنون مین کہ جدا ہو گئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ

آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ
باندھو کمر اور جنگ کے ہتھیار لگاؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان مین جاؤ
بیتاب ہون اے لال خبر باپ کی لاؤ

تے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھہ آؤ تو رٹتے ہین کہ مارے گئے عباسؑ

غیرت سے موئی جاتی ہون مین بیکس و ناچار
کہتے ہین عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
صدقے گئی کہو مری جانب سے بتکرار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیون کرتے ہو گفتار

وہ تفرقہ انداز ہے مردود خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھین کیا ہے

۲۳- ابن سعد کربلا مین داخل ہوتا ہے، اور خولی سے حالات دریافت کرتا ہے، خولی ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے ؎

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان
امڈا ہے مین پہ ظلم کا دریا ہے بیکران
موجون کی طرح سب تھین صفین پیش و پس رواں
لہراتے تھے ہوا سے علم مثل بادبان

ہلتا تھا دشت کین دہل اسطرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ روسیون کے پرے شامیون کے دل
خوفِ خدا نہ جنکو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغا باز و پُر دغل
شکلین مہیب دیو سے قد اژدہون پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑہ کے جمے دو طرف سوار
غل ہو گیا سلامی کے باجون کا ایک بار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار
آگے بڑہے چلو، یہ نقیبون کی تھی پکار

گھوڑون پہ گرد و پیش رئیسان شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

اُترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
بولا کسی سے پھر وہ سوے نہر دیکھکر

خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہین زہرا کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
آئے تھے یان اُترنے کی خاطر امامِ دہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری مان کا مہر
ہمنے اُٹھا دیا اُنھین لیکن بجبر و قہر

عباسؑ مستعد تھے ہمون سے لڑائی کو
شبیرؑ پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

وہ دھوپ مین ہے خیمۂ زنگاری حسینؑ
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
پہر دن علیؑ کی بیٹیان روتی ہین کرکے بین
آفت مین مبتلا ہے محمدؐ کا نورِ عین

بچون کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ مین ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہِ اُمم
سُنتے تھے وان سپاہ حسینی کی دہوم ہم

اسنے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہین کم
فاقون کے مارے دم ہین کسی کے نہین ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہین
مین نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہین

ہے ایک علم یہ قلتِ لشکر کا ہے نشان
یہ حال ہے لُٹا ہوا جیسے ہو کاروان
اُردو مین جنس غم کے سوا جنس ہے گران
غلّہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحط آب و نان
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہین
کُل سترہ تو اونٹ ہین اور بیس گھوڑے ہین

مطبخ ہے سرد آگ کا اسمین نہین ہے نام
بچے ہوا ے گرم سے بیتاب ہین تمام
خاک آبدار خانے مین اُڑتی ہے صبح و شام
کیونکر لڑینگے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
یان سیکڑون کمانین ہین فوجِ امیر مین
دو دو گرینگے خاک پہ ایک ایک تیر مین

یہ سب غلط سُنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر
کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
ہین اُن مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھونکی طاقت دکھائینگے
اِن سے تو تیغے بھی سنبھالے نہ جائین گے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہِ کربلا
مقتل مین کھینچکر اُنہین لے آئی ہے قضا
لشکر تو یہ قلیل اور اِس فوج سے وغا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑینگے کیا
کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین
اُنکے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

ہمشکل مصطفےٰ کو تو اٹھارواں ہے سال
تیرہ برس کا ہے ابھی شبیر کا نونہال
نو دس برس کے ہوئینگے زینب کے دونوں لال
ہاں اک جوان ہیں حضرت عباس خوشخصال
چھوٹے ہیں اور سب کوئی اُن میں جوان نہیں
خط اک طرف مسین بھی کسیکی عیاں نہیں

سنتا ہوں میں ہیں دو پسر شاہ نامدار
بیمار اُن میں ایک ہے اور ایک شیرخوار
زینب کے دو ہیں تین حسن کے ہیں گلعذار
دس ہیں عقیل و مسلم و حیدر کے یادگار
زہرا کے جان و دل ہیں محمد کے پیارے ہیں
یہ سترہ تو چاند ہیں باقی ستارے ہیں

بتیس سب سوار شہ دین کے پاس ہیں
اب رہگئے پیادے سو دو کم پچاس ہیں
آفت میں مبتلا ہیں مگر با حواس ہیں
غازی ہیں سرفروش ہیں اور حق شناس ہیں
کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہیں اور دعائیں ہیں اور حق کا ذکر ہے

بولا وہ تب کہ ہونگے جواں پانچ کے ہزار
خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہیں شمار
ہیں تین چار کوس کے گردے میں سب سوار
اک اک جوان ہے رستم میدان کارزار
کیا کوئی لڑ سکیگا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی ہیں صفیں کہ سمندر کی موج ہے

پیدل ہیں اک طرف تو رسالے ہیں اک طرف
خنجر ہیں ایک سمت تو بھالے ہیں اک طرف
جانباز ہاتھ قبضوں پہ ڈالے ہیں اک طرف
اور دس ہزار برچھیوں والے ہیں اک طرف
سب لوگ فکر قتل شہنشاہ دین میں ہیں

کھنچے ہوئے کمانون کو سرکش کمین مین ہین

ہاتھون مین پہلوانون کے ہین گرز گاؤ سر
ضرب سے جھکے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
ہر جا کھبی ہوئی ہین کندین ادھر اُدھر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالون کی نہر پر

سب لوگ جابجا پئے قتل و ستیز ہین
تیغین بھی ہین اوپی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
نوک اِسکی سینۂ علی اکبرؑ کے ہوگی پار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار
آئے تو رن مین حضرتِ شبّرؑ کا یادگار

اب کوئی دم مین گھر کے حسنؑ کی صفائی ہے
تلوار آج زہر مین مین نے بجھائی ہے

۴ - فوج آراستہ ہو رہی ہے، اور علَم لاکر رکھا گیا ہے - عون و محمد جو امام علیہ السلام کے بھانجے اور حضرت زینبؑ کے صاحبزادے ہین، علَم کے استحقاق کے دعویدار ہین اور چاہتے ہین کہ امام علیہ السلام سے اس منصب کی درخواست کرین - اسوقت کی گفتگو، حضرت زینب کی آزردگی، اور فہمایش اور دیگر واقعات

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم
کیون بھائی علَم لینے کو ماموں سے کہین ہم؟
تائید خدا چاہیے گو عمر مین ہین کم
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم

واقف ہین سبھی حیدر و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہین ہم دونون طرف سے

دادا بھی علمدار ہے نانا بھی علمدار
ہم اپنے بزرگون کے ہین منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہین زنہار
ہین بادشہ کون و مکان مالک و مختار

عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہون

چپکے رہو اماں نہ کہین سُنکے خفا ہون

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمین کچھ کام
مٹ جائین نشان بس یہی عہدہ یہی نام
یہ سر ہون نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام
عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام

آقا جسے چاہین علمِ فوجِ خدا دین
مشتاقِ اجل ہین ہمین مرنے کی رضا دین

روتی تھی جو پردے کے قرین زینبؑ دلگیر
سب اُسنے مفصل سُنی بیٹون کی تقریر
فضہؑ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر
دونون کو اشارے سے بُلا لے کسی تدبیر

کچھ کہنا ہے سُن لین اُسے فرصت اُنہین گر ہو
عباسؑ نہ دیکھین نہ شہِ دین کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار
چھوٹے سے یہ فرمانے لگین زینبؑ ناچار
کیا باتین ابھی بھائی سے تھین اے مرے دلدار
اسوقت مین ہو کون سے منصب کی طلبگار

سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لُٹتا ہے میرا تمھین منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار
بچو تمھین ایسا نہ سمجھتی تھی مین زنہار
دیکھو ابھی تم دونون سے ہو جاؤن گی بیزار
کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار

کیا دخل تمھین امر مین سلطانِ اُمم کے
دیکھون گی نہ پھر مُنہ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہین علم نکلا ہے جب سے
تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو غضب سے
استادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے
عہدہ ہے یہ جس کا تمھین معلوم ہے نسب سے

اس امر مین خاطر نہ کرین اور کسی کی
مین خوش ہون بجالائین وصیت کو علیؑ کی

مانا کہ پہونچتا ہے تمھین منصب جعفرؑ
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹون کے برابر

آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھکر
عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر

بگڑون گی گلہ گر کسی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کروگے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار
شاہون سے غلامون نے بھی کی ہے کبھی تکرار

یون کہنے لگے جوڑ کے ہاتھون کو وہ دلدار
مالک ہین جسے چاہین علم دین شہ ابرار

رخصت کے لئے تیغ وسپر باندھے ہوئے ہین
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہین

زینبؑ نے کہا لیکے بلائین کہ سدھارو
مان صدقے گئی سر قدم شاہ پہ وارو

بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو

یہ وقت ہے امداد امام ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھون مین خدا زور علیؑ کا

۵ حضرت علی اکبرؑ میدان جنگ مین جانے کے لئے پھوپھی اور امان سے اجازت طلب کرتے ہین، اُن دونون کا اضطراب - اور سوال وجواب ۵

خیمے مین آئے روتے ہوئے اکبرؑ حزین
اک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبین

چھاتی لگایا مان نے پھوپھی نے بلائین لین
نرغے مین ظالمون کے اکیلے ہین شاہ دین

روتے ہین غیر سید والا کے حال پر

امان مقام رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
بازو شکستہ ضعف بصارت ہجوم یاس
اب مین ہون اور کوئی نہین شاہ دین کے پاس
اس پر بھی اضطراب نہین کچھہ نہ ہے حواس
گھیرے ہین سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہین تولے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہان امام کہان وہ ہجوم عام
مین یان ہون اب تو اور بڑھی ہوگی فوج شام
فریاد ہے کوئی نہین آتا ہمارے کام
مٹتا ہے صفحۂ دو جہان سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھون کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوند خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
اچھا مرین گے بعد شہ آسمان جناب
ہم بھی نہین اگر نہین فرزند بوتراب
ذرہ کہان غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور نیر اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہ عالم کے ساتھ ہے

مجھکو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کرون
راہ خدا مین فوج سے تنہا وغا کرون
سب سے حقوق والد ماجد ادا کرون
مالک مرے اگر نہ رضا دین تو کیا کرون
وان اقتلوا الحسین کا اعدا مین شور ہے
پر کچھہ ہمارا پالنے والون سے زور ہے

تم دونون صاحبون سے مرے اب ہین دو سوال
اول تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصت جدال

سطر ۹ یعنی قتل کرو تم سب حسین کو ۱۲

رکھہ لیجے آبرو سے پسر ذوالجلال
آ سکے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال
للہ ہاتھ اُٹھائیے اب نور عین سے
اماں ہمیں عزیز نہ کیجے حسینؑ سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول
جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول
نہ جائینگے نجف نہ سوئے روضۂ رسولؐ
جنگل کی راہ لینگے گریبان کو پھاڑ کے
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر
کہہ دیجیے نہ آئینگے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امام دین پہ ہوئے سارے نامور
کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاری پسر
بستی بسا کے رن میں شہ کربلا رہے
کنبہ سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ
بنت علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے منہ پہ پاس سے زینبؑ نے کی نگاہ
گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بنت علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانوؑ پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی

ماں کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھکو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر
زینبؑ پکارین چھوڑ کے ہمکو چلے کدھر
اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر
کرتہ وہ پہنے دوڑتے پھرنا ادھر ادھر
یاد آتی ہین وہ ہنسلیان وہ کان کے گہر
یا آج تیغ ہاتھ مین ہے دوش پر سپر
غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

دادا کا مرتبہ تمھین دے رب ذو الجلال
قایم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
قابل ہے رحم کرنے کے واری ہمارا حال
بچپن کی دائیون کا بھی رکھیے ذرا خیال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمھین ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

قوت تمھین ہو دل کی تمھین پارۂ جگر
یہ بھی خبر نہین مجھے کب مر گئے پسر
لاشین بھی گھر مین آئین تو پیٹا نہ مین نے سر
بین کہتی تھی جیسے یہ مرا غیرت قمر
اکبرؑ تو ہے اگر مرے پیارے نہین نہین
روشن ہے گھر مین چاند ستارے نہین نہین

باتین یہ کر کے منہ پہ لیا گوشۂ ردا
ہر چند سب نے پیٹ کے کہا وا محمدا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پہ وہ مہ لقا
کی عرض رو کے اے پھوپھی امان کرو نہ بین کیا
مین سبے وفا نہین ہون یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

منہ سے ہٹائیے تو ردا بہر کردگار
اچھا نہ جانیے ہے میدانِ کارزار
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دلفگار
مین کون؟ صدقے جاؤن تمھین کو ہے اختیار
اصغرؑ ہو یا کہ تم ہو مجھے سبے پاس ہے

رخصت گلا کٹانے کی لو مان تو پاس ہے

اکبرؑ نے مان کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تم سے پھوپھی خفا ہین جھکا دو قدم پہ سر
مان نے کیا اشارہ کہ اے غیرتِ قمر
قربان جاؤن عذر کرو ہاتھ باندھ کر
سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
بس اب زبان سے کچھ نہین کہنے کا یہ غلام
تقصیر عفو کیجیے اے خواہرِ امام
میری تو مان ہین آپ مجھے کیا کسی سے کام
بندے پہ کی ہے مان نے نہ شفقت نہ باپ نے
راتون کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

اکبرؑ نے یہ کلام کیے جب بصد ادب
لیکر بلائین چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
الفت کا جوش آگیا بنتِ علیؑ کو تب
کڑھتے ہو کس لیے مین تمھین روکتی ہون کب
سچ ہے جہان مین تمسا کوئی باوفا نہین
واری تمھارے سر کی قسم مین خفا نہین

کیون کانپتے ہو اشک ہین آنکھون سے کیون روان
لو مین نے دی رضا تمھین اے میرے نوجوان
تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیان
تم جاؤ گے تو صدقے گئی اور تمھاری مان
یون تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ مان کا حق بھی کم نہین ہوتا ہے باپ سے

آنکھین بچھائین مان نے جو تم گھٹنیون چلے
نازون کی منتون سے مرادون سے تم پلے
تلوون سے اپنے دیدۂ حق بین ملا کیے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے

مادر نے اپنی عمر مصیبت مین کھوئی ہے
برسون یہ بی بی ایک ہی کروٹ سو سوئی ہے

بانوؔ نے ہاتھ جوڑ کے زینبؑ سے یہ کہا
اس قافلہ مین آپ ہین اب فاطمہؑ کی جا
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
مین نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا

صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہ بحر و بر
بانوؔ بھی روئی شہ کے قدم جُھکا کے سر
لے لین بلائین بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بال سکینہؑ کہ اے پدر

سُنتی تھی مین کہ رن سے علمدار آتے ہین
لو اب تو گھر سے نہر پہ بھیّا بھی جاتے ہین

بانوؔ کے مُنہ کو دیکھکے حضرتؑ نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہ ہدا
کیون سچ ہے تمنے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہیے پھوپھی بھتیجون مین کیا فیصلہ ہوا

راہین سب انکے روکنے کی بند ہو گئین
سنتا ہون مین کہ تم بھی رضامند ہو گئین

ہاتھون کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
زہراؑ کی وہ بہو ہین تو یہ دخترِ علیؑ
امان نے بھی رضا ہمین دی اور پھوپھی نے بھی
آقا سوال رد نہین کرتے کبھی سخی

رویا جو مین تو مان نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپھی نے جلا لیا

مان نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
نامِ خدا زبان کی طلاقت تو دیکھیے

زینبؑ یہ بولین ذہن کی جودت تو دیکھیے
ہر بات مین ثبوتِ اجازت تو دیکھیے

کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زبان ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھون پہ بولے امامِ دین
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انسان کا بس نہین
تم دو گی رخصت انکو مجھے یہ نہ تھا یقین
آیا تھا اپنی عمر ہی لیکر یہ مہ جبین

بیجا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہین
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہین

۷- عون اور محمد زخمی ہو کر قریب المرگ ہین، حضرت علی اکبرؑ اُن کی لاش اُٹھانے کیلیے جانا چاہتے ہین، حضرت زینبؑ (عون و محمد کی ماں) ان کو روکتی ہین، لاشین گھر مین آتی ہین - حضرت زینبؑ لوگون کو رونے سے منع کرتی ہین، لیکن آخر ضبط نہین ہو سکتا، اور خود بین کرتی ہین ۵

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہین پیاری
سر ننگے مین نکلون گی جو تم جاؤ گے واری
تبلاؤ تو مین اُنکی ہون عاشق کہ تمھاری

میدان کی طرف قاسمؑ بے پر کبھی نجائین
تلوارون مین عباسؑ دلاور بھی نجائین

بیٹون سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی
سر پر مرے دنیا مین سلامت رہین بھائی
کیا لُٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی ہ

کیون روؤن مین دنیا مین جو دلبند نہین ہین
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہین ہین

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے
لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے

پامالی کو ان دونوں کے اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرتِ عباسؑ
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کی جو تھیں پاس
گھبرا کے اٹھے خاک سے شبیر بصد یاس
سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس

ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا ہوا اک شور ہوا رانڈوں میں برپا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا
زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتی ہو پرسا

ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائینگے شبیرؑ

باتیں یہ کہیں سب سے پہ سنبھلا نہ دلِ زار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہونچے شہ ابرار
تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
مہمان کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار

کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو
تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مہ نو سے وہ ابرو
مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر سے پہلو

چھلکا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے

ہونٹوں پہ زبانین نکل آئین تھین عطش سے

ٹکڑے ہوا سینہ مین دل سبط پیمبر ؐ
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش مین آکر

ہے ہے کہا اور لاشون سے لپٹے شہ صفدر
بالین پہ حضور آئے ہین چونکو تو برادر

مشتاق تھے تم سید ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سنکر یہ صدا غش سے جو چونکا دل افگار
اکبر ؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار

دونون نے رکھا سر قدم شاہ پہ اک بار
دشمن ہین بہت قبلۂ عالم سے خبردار

ہم دونون غلامون کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹین جو امان انھین سمجھائیو بھائی

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمے مین آئی
زینب ؑ نے کہا اے غضب روتے ہین بھائی

رانڈون نے ادھر ماتمی صف گھر مین بچھائی
فضہ یہ پکاری کہ دوہائی ہے دوہائی

لو چاک گریبان کئے آتے ہین شبیر ؑ
معصومون کی لاشون کو لئے آتے ہین شبیر ؑ

بیٹھی صف ماتم پہ ادھر شاہ کی خواہر
لاشون کو لئے آئے جو گھر مین شہ صفدر ؑ

سیدانیون نے اٹھ کے ادھر کھولدیے سر
زینب ؑ کے قرین بیٹھ گئے سر کو جھکا کر

فرمایا کہ لو لخت جگر آئے تمھارے
لو دودھ انھین بخشو پسر آئے تمھارے

دیکھا جو لہو بچون کا چھاتی امنڈ آئی
پر فاطمہ ؑ کے صبر کی شان اسنے دکھائی

نزدیک تھا مرجائے یداللہ کی جائی
سب سے یہ کہا نیگ لگی میری کمائی

بچے مرے قربان ہوئے احسان خدا کا
اے بی بیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

رو کر شہ والا نے کہا صدقے مین ہمشیر
بانو نے اشارہ کیا اے سبطِ پیمبر

دم بھر اُٹھین رو لو کہ یہ مہمان ہین خواہر
قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر

گر ضبط اسی طرح سے فرمائین گی زینبؑ
یہ ماتم اولاد ہے مر جائین گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہین آہ

فرزندون کو چلانے لگی زینبؑ ذیجاہ
صدقے گئی جاؤ شہ کونین کے ہمراہ

زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی مین دون گی
اچھا مین تمھین دونون سے مانجائے کو لونگی

لو نیمچے کاندھون پہ دہرو لے مرے پیارو
گو پیاسے ہو دودن کے پہ ہمت کو نہ ہارو

تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
یہ خون مین ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو

اُٹھہ بیٹھو مین صدقے گئی اتنا نہین سوتے
اسطرح تو جاگے ہوئے دولھا نہین سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورتِ بسمل

پوچھین گیا اُن کے کہین گے شہ عادل
سلجھاؤ یہ زلفین کہ اُلجھتا ہے مرا دل

کیا غش[۱] مین ہو یہ سونے کا نقشا نہین ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہین سوتا

[۱] یہ اشعار جذبات کے عنوان مین بھی داخل ہو سکتے ہین۔

مثال ۱۸۔ شیرین کو خبر ہوئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام مع تمام خاندان کے اسکے گھر تشریف لاتے ہین، اور وہ مہمانی کا سامان کرتی ہے اور اپنے عزیزون کو خوشخبری دیتی ہے۔

یہ کہکے اُسنے فرش کیا گھر مین سربسر — مومن کے دل کیطرح مصفا ہوا وہ گھر
مسند بچھائی بہرِ شہنشاہ بحر و بر — تکیون کو صاف کرکے لگایا اِدھر اُدھر

کہتی تھی میرے گھر مین ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امام زمن کا ظہور ہے

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے — یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کیواسطے — یہ گھر ہے شاہ دین کے برادر کے واسطے

راحت سے شہ نشین پہ امام زمن رہین
حُجرہ یہ اس لئے ہے کہ دو لھا دلھن رہین

کرسی کو لاکے جلد کسی جا بچھاتی تھی — تحفون کو کشتیون مین کبھی وہ لگاتی تھی
سجدے مین بہرِ شکر کبھی سر جُھکاتی تھی — گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ جاتی تھی

چہرے پہ اِک خوشی تھی پہ دل بیقرار تھا
فرزند فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

جا کر کبھی خواصون سے کرتی تھی یہ کلام — کھانا پکاؤ جلد کہ آتے ہین اب امام
بھر بھر کے آبِ سرد کے رکھدو ہوا مین جام — لبریز آبِ گرم سے کردو سبو تمام

پردیسیون کو خیر سے جب گھر مین لاؤن گی
ہاتھون سے اپنے پانون سبھون کے دُھلاؤنگی

ہمسائیون سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار — اب کیجیو زیارتِ سلطان نامدار

ہے باغِ فاطمہؑ یہ عجب حسن کی بہار
رشکِ ریاضِ خلد ہے ایک ایک گلعذار
سب نونہال گلشنِ دین لاجواب ہین
قد سرو باغ حسن ہین رُخ آفتاب ہین

شمشادِ بوستان پیمبر کو دیکھیو
سرو ریاض حضرت شبیرؑ کو دیکھیو
کیا نوجوان ہین شہ کے برادر کو دیکھیو
سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو
ہوگا کبھی یہ حُسن ملک کا نہ حور کا
جلوہ ہے اُس جری مین محمدؐ کے نور کا

خالق رکھے اُسے صد وسی سال برقرار
نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
بہنین فدا ہین باپ تصدق ہے مان نثار
سر پہ پھوپھی نے پیار سے گیسو رکھے ہین چار
چہرے کے آگے نیّرِ تابان بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے

اب خیریت سے گذرے گا اٹھاروان جو سال
شادی کرینگی بیٹے کی بانوے خوشخصال
زینبؑ کو اُس کے بیاہ کا ارمان ہے کمال
ہر دم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال
آتی ہین نسبتین حلب و شام و روم سے
شادی خدا جو چاہے تو ہو ویگی دھوم سے

جب ڈھل گئی اُسے انھین باتون دوپہر
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکوسیر
اب تک نہ آئے گھر مین شہنشاہ بحر و بر
اُترے کہان کسی سے مفصل سُنی خبر
بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
جا پیشوا ہے خلق کی تو پیشوائی کو

کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم — لونڈی کو سرفراز کرو یا شہ امم
کرتے ہین اغنیا غربا پر سوا کرم — اب بے حضور چین نہین مجھکو ایکدم
کچھ آج ہے تپش سی دل بیقرار مین
آنکھین سپید ہوگئی ہین انتظار مین

قربان ہوگئی مرا گھر کچھ نہین ہے دور — خاصہ تناول آن کے اس جا کرین حضور
ہم لوگ مشت خاک ہین حضرت خدا کے نور — ہوگا یہ کوہ آپ کے آنے سے رشک طور
کہنا حضور راہ ہدایت کی شمع ہین
پروانے یان سحر سے زیارت کو جمع ہین

عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے مین کچھ اگر — آنے مین کیون حرم کے ہوئی دیر اسقدر
ڈیوڑھی پہ بندوبست ہے یا شاہ بحر و بر — گردوا رکھی ہین کھنچ قناتین ادھر ادھر
محمل مین گھٹتی ہونگی زہراؑ کی پیاریان
عباسؑ لے کے آئین زنانی سواریان

رزمیہ

رزمیہ شاعری اگرچہ واقعہ نگاری ہی کی ایک قسم ہے لیکن وسعت، اور اہمیت کے لحاظ سے اسکے لیے بھی جداگانہ عنوان درکار ہے اُردو، بلکہ عربی مین بھی رزمیہ شاعری کو چندان ترقی نہین ہوئی، عربی مین **مثنوی** سرے سے مفقود ہے، اور مسلسل واقعات **مثنوی** کے سوا، اور کسی صنف مین ادا ہی نہین ہوسکتے، شعراے جاہلیت لڑائی کے جستہ جستہ واقعات، قصاید مین ادا کرلیا کرتے تھے، لیکن اس تمام شاعری مین، کوئی مسلسل رزمیہ نظم ۵۰ شعرون کی بھی نہین مل سکتی،

فارسی مین، شاہ نامہ، اور سکندر نامہ کو الگ کر لیا جاے، تو کچھہ باقی نہین رہتا لیکن ایک شاہ نامہ ہزار کتابون پر بھاری ہے اس لئے فارسی شاعری کا رتبہ اس حیثیت مین، عربی سے بڑھا رہا۔ اور اسکو خود اہل زبان عرب نے تسلیم کیا چنانچہ ابن الاثیر نے مثل السایر مین صاف لکھدیا کہ عربی زبان باوجود اسقدر وسعت اور مایہ داری کے، شاہ نامہ کی نظیر نہین پیش کر سکتی،

اُردو مین لے دیکر، میر تقی ہوس کے چند اشعار ہین جو نوفل اور لیلی کے قبیلہ کی لڑائی کے موقع پر لکھے ہین اسکا نمونہ یہ ہے ؎

شانون سے گذر کے رمح چالاک	تھے ہوش ربائے مار ضحاک

مرثیہ مین، میر ضمیر نے رزمیہ کی ابتدا کی، لیکن وہ بالکل نقش اولین تھا، میر انیس نے جس طرح اس صنف کو کمال کے درجہ تک پہنچایا اسکے لحاظ سے اُردو شاعری گو فارسی کے برابری کا دعوی نہین کر سکتی لیکن عرب سے کسی طرح پیچھے نہین،

رزمیۂ شاعری کا کمال، امور ذیل پر موقوف ہے۔ سب سے پہلے لڑائی کی طیاری، معرکہ کا زور شور، تلاطم، ہنگامہ خیزی، ہل چل، شور و غل، نقارون کی گونج، ٹاپون کی آواز، ہتیارون کی جھنکار، تلوارونکی چمک دمک، نیزون کی لچک، کمانون کا کڑکنا، نقیبون کا گرجنا، ان چیزون کا اس طرح بیان کیا جاے کہ آنکھون کے سامنے معرکۂ جنگ کا سمان چھا جاے، پھر بہادرون کا میدان جنگ مین جانا، مبارز طلب ہونا، باہم معرکہ آرائی کرنا، لڑائی کے داؤن پیچ دکھانا، ان سب کا بیان کیا جائے، اسکے ساتھہ، اسلحۂ جنگ، اور دیگر سامان جنگ کی الگ الگ تصویر کھینچی جاے، پھر فتح یا شکست کا بیان کیا جاے اور اسطرح کیا جاے کہ دل دہل جائین، یا طبیعتون پر اُداسی اور غم کا عالم چھا جاے۔

فردوسی کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ معرکۂ جنگ کا سمان اسطرح کھینچتا ہے ؎

جہان لرز لرزان شد و دشت و کوہ	زمین شد ز نعل ستوران ستوہ گھوڑے عاجز

برآمد زهر سو ز لشکر خروش — همی پیل را زان بدرّید گوش
ز بس نیزه و گرز و گوپال و تیغ — تو گفتی همه ژاله بارد ز میغ (بادل)
بلند آسمان چون زمین شد ز خاک — ز هر سو همی بر شده چاک چاک
درخشیدن تیغ هاے بنفش — ازان سایهٔ کاویانی درفش (علم)
ق
تو گفتی که اندر شب تیره چهر — ستاره همی برفشاند سپهر
سیه شد ز گرد سپه آفتاب — ز پیکان پولاد و پر عقاب
دل کوه گفتی بدرّد همی — زمین با سواران بپرّد همی
تو گفتی که ابرے برآمد سیاه — بباریده خون اندران رزمگاه
ز گرد سیه روشنائی نماند — ز خورشید شب را جدائی نماند
ز جوشش سواران و زخم تبر — دگر کوه خارا برآورد سر
زمین شد ز نعل ستوران ستوه — همان کوه دریا شد و دشت کوه
ز بس نعره و نالهٔ کرناے — همی آسمان اندر آمد ز جاے
سنان هاے رخشان و تیغ سران — درفش از بر و زیر گرز گران
بجوشید دشت و بجنبید کوه — ز بانگ سواران هر دو گروه
ز آهن زمین بود و از گرز میغ — ستاره سنان بود و خورشید تیغ
زمین لاله گون شد هوا نیلگون — برآمد همی موج دریاے خون

اسکے مقابلہ مین میر انیس کا رزمیہ دیکھو۔ ـــ ۵

ہنگامۂ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک — اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک — قرنا پھُنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شورِ دُھل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑون سے گونجتا تھا وہ سب وادیِ نبرد
گردون مین مثلِ شیشہ ساعت بھری تھی گرد
تھا چرخِ چارمین پہ رُخِ آفتاب زرد
ڈر تھا گرے زمین پہ نہ مینائے لاجورد

گرمیِ ہجومِ فوج سے دہ چند ہوگئی
خاک اسقدر اُڑی کہ ہوا بند ہوگئی

کانپے طبق زمین کے، ہلا چرخِ لاجورد
مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اُٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ مین گرد
تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد

گرمی سے رن کے ہوش اُڑے وحش و طیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در
جنگل مین چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
دنیا مین خاک اُڑتی ہے اب جائین ہم کدھر

اندھیر ہے، اُٹھی برکت اب جہان سے
لو مل گیا زمین کا طبق آسمان سے

تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد
سہمے ہوئے تھے کوہ، کانپتا تھا وادیِ نبرد
تھا دن بھی زرد، دھوپ بھی زرد، اور زمین بھی زرد
خورشید چھپ گیا، یہ اُٹھی کربلا مین گرد

اک تیرگی غبار سے تھی چشمِ مہر مین
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیطِ سپہر مین

فوج کی طیاری اور سامان

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دَل پہ دَل
خنجر وہ جنکی آب مین تھی تلخی اجل

تھے برچھیون کی صورتِ مقراض پھل پہ پھل
وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیونکے پھل

وہ دو و بتر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقون پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

وہ دہوم طبل جنگ کی، وہ بوق کا خروش
تھرّائی یون زمین کہ اُڑے آسمان کے ہوش

کر ہو گئے تھے شور سے کرّ وبیون کے گوش
نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش

ڈھالین تھین یون سرون پہ سواران شوم کے
صحرا مین جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

حد سے فزون ہے کثرتِ افواجِ نابکار
ہر سمت ہے سنان پہ سنان مثلِ کارزار

نیزہ پہ نیزہ، تیغ پہ ہے تیغ آبدار
ہر صف مین ہے سپر پہ سپر مثلِ لالہ زار

پیکان بہم ہین جیسے ہون گُل بے کھلے ہوئے
گوشون سے ہین کمانون کے گوشے ملے ہوئے

دریا کی طرح لشکرِ کین مارتا ہے جوش
ھل من مبارزا کا ہر اک صف مین ہے خروش

نیزے ہلا رہے ہین جوانان درع پوش
چلّے کھچے ہوئے ہین کمانون کے تا بگوش

ہر صف مین برچھیان بھی ہزارون لچکتی ہین
نیزے تُلے ہوئے ہین، سنانین چمکتی ہین

نوکین وہ تیز ہین کہ دلون مین کھٹکتی ہین
ترکش کھلے ہوئے ہین کمانین کڑکتی ہین

سنگین دلون نے ہاتون مین تبر اُٹھائے ہین
تیغون کے ساتھ گرز گران ہر اُٹھائے ہین

سپاہیون کی آمادگی جنگ

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے | بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے

چتون کسی کی شور وغل سے بگڑ گئی | ولہ | منہ سرخ ہوگیا شکن ابرو پہ پڑ گئی

نکلا کوئی سمند کو زانو مین داب کے | ولہ | غصہ سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی | ولہ | پٹڑی ہر اک سوار کے گھوڑے پہ جم گئی

حملہ کا زور شور اور فوجون کی ہلچل

نکلی جو رن مین تیغ حسینی غلاف سے | اڑنے لگے شرر وم خارا شگاف سے
بجلی تڑپ کے چمک کے جو دشت مصاف سے | صاف آئی الامان کی صدا کوہ قاف سے

طبقے فلک کے صورت گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال مین | سکان غرب و شرق تھے بیم زوال مین
مضطر تھے شش جہت کے مکین ایک حال مین | غل تھا کہ گھر گئے غضب ذوالجلال مین

شہ کا غضب نمونۂ قہر اله تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

جنگل مین تھی علم جو وہ تیغ شرر فشان | تھرا کے آسمان مین چھپتا تھا آسمان
غار اژدرون سے چھٹ گئے شیرون سے نیستان | برپا تھا برو بحر مین اک شور الامان

مانند موج مچھلیون مین اضطراب تھا
زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی مین آب تھا

اٹھا جو الحفیظ کا روحانیون مین شور | مردے دہل کے چونک پڑے سب میان گور

چلاّ ئے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور
ہے بازوئے حسینؑ میں دستِ خدا کا زور
اُلٹے ہیں مثلِ شیر جنہ آستین کو
اے کردگار عرش بچائے زمین کو

تھا فوج قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر
تھیں موج کی طرح سب اُدھر کی صفیں اِدھر
چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور
پانی میں تھے نہنگ، ابھرتے نہ تھے مگر
فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں منہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا، کنارہ کو چھوڑ کے

تھا شش جہت میں غل کہ یہی روزِ انقلاب
اُلٹے گا اس زمین کا ورق ابنِ بوترابؑ
اس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتحیاب
بس اب بنائے عالمِ امکان ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہیں
غل تھا کہ مل نہ جائے سما سے سمک کہیں
جنات بے حواس کہیں تھے ملک کہیں
سایہ کہیں تھا، تیغ کہیں تھی چمک کہیں
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تھیں تین بجلیاں اک ذوالفقار سے

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر
شیروں سے دشت، گرگ سے بن، اژدروں سے در
شاہین و کبک چھپ گئے، اک جا ملا کے سر
اُڑ اُڑ کے جزیروں میں جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دئے پر کانپ کانپ کے

فوجون کی ابتری اور ہل چل

گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل ادہر اُدھر
سمٹے ہوے تھے ڈھالون کے بادل ادہر اُدہر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل ادہر اُدہر
بھاگڑ تھی قلب فوج مین ہل چل ادہر اُدہر
ہر جا تنون کے ڈھیر سرون سے بلند تھے
بھاگین کہان اگر یز کے کوچے تو بند تھے

تیغین سپر کے ساتھ کٹین، خود سر کے ساتھ
سینہ کمر کے ساتھ کٹا۔ دل جگر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ
اِس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
جانین روانہ ہو گئین قالب کو چھوڑ کر

سرہنگ شام ٹھوکرین کھا کھا کے مر گئے
جو بچ گئے ادہر سے اُدہر جا کے مر گئے
کتنے جوان سمون کے تلے آ کے مر گئے
پس پس کے سرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
ہل چل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹون نے پانون باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

تھا الامان کا شور پریشان تھے اہلِ شر
تیغون کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
ماتھے علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیون نے سر
دانتون مین خس، ہراس سے تھے ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

بے رخ کمانین تیرون سے چلے کمان سے دور
مرغان تیر سہمے ہوے آشیان سے دور
برچھے سے پھل گرے ہوئی نیزے سنان سے دور
پیرون سے عقل دور، تہور جوان سے دور

تیغوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا

در پے تھی سرکشوں کی جو وہ تیغ جان ستان
گوشوں سے تھی بلند صدائے امان امان
ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کمان
گردن سے سر، رگوں سے لہو اور تنوں سے جان
یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن میں کہیں نشان قدر انداز کا نہ تھا

ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشان کہیں
چلے کہیں تھے، شست کہیں تھی، کمان کہیں
نیزے کہیں تھے، ڈانڈ کہیں تھی، سنان کہیں
جمدھر کہیں، کمند کہیں، برچھیاں کہیں
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اسکی چمک دمک
کانپی کبھی زمیں، کبھی تھرا گئے فلک
شعلہ میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک
ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاو زمیں سمٹتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

ڈر ڈر کے پیچھے پاؤں سپاہ لعیں ہٹی
یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
سہمے جبال، نہر کہیں سے کہیں ہٹی
دہشت سے آسمان ہوا اونچا، زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتی گردوں پہ چڑھ گیا

نعرہ جدا، صدائے بگیر و بدہ جدا
گوشے کمان سے دور تھے، گوشوں سے زہ جدا

بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے، زرہ جدا
نیمزون کو دیکھیے تو گرہ سی گرہ جدا

اللہ رے فرق، گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتون کا ذکر کیا ہے کہ تیغون مین دم نہ تھے

مغفر نہ سر کے پاس، نہ خنجر کمر کے پاس
قبضہ کے پاس تیغ، نہ دستہ تبر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ، نہ بیٹا پدر کے پاس
کڑیان زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس

نیزے نہ تھے سنان پہ نہ پرچم نشان پر
پیکان نہ تیر پر تھا، نہ چلہ کمان پر

معرکہ آرائی، اور فنون جنگ کا اظہار قدیم زمانہ مین جنگ کا دستور تھا کہ عام لڑائی سے پہلے، دونون طرف سے پہلے، ایک ایک شخص میدان مین نکلکر حریف سے معرکہ آرا ہوتا تھا، اس بنا پر تمام مرثیہ گویون نے اس قسم کی معرکہ آرائیان بیان کی ہین۔ لیکن مرزا دبیر وغیرہ یہ واقعہ اسطرح لکھتے ہین کہ یہ نہین اندازہ ہوتا کہ حریفون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، بخلاف اسکے میر انیس اسکو اسطرح ادا کرتے ہین کہ گویا فن جنگ کا بڑا ماہر لڑائی کے تمام داؤن پیچ بتا رہا ہے چونکہ عرب مین سب سے پہلے لڑائی کی ابتدا رجز سے ہوتی تھی اس لئے پہلے ہم رجز کا انداز دکھاتے ہین۔

رجز عرب مین سب سے پہلے حریف میدان مین نکل کر رجز پڑھتا تھا یعنی اپنی شجاعت، اور دلیری کا خود اظہار کرتا تھا، اس بنا پر میر انیس نے جا بجا رجز لکھا ہے لیکن چونکہ امام حسین علیہ السلام کی زبان سے پہلوانی کا اظہار، ان کے رتبہ کے شایان نہ تھا، اسلئے اکثر رجزون مین پہلوانی اور بہادری کے بجائے فضیلت اور شرف کا اظہار کیا ہے مثلاً ؎

مین ہون سرور شباب چمن خلد برین — مین ہون انگشتر پیغمبر خاتم کا نگین
مین ہون خالق کی قسم دوش محمد کا مکین — مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمین

ابھی نظرون سے نہان نور جو میرا ہو جائے
محفل عالم امکان مین اندھیرا ہو جائے

پھر یہ بیان کرکے کہ جناب رسول اللہ صلعم اور جناب امیرؑ و حمزہ سید الشہدا کے تمام تبرکات مجھی کو وراثت مین ملے ہین، فرماتے ہین ؎

یہ قبا کسکی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار — یہ زرہ کسکی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار
بر مین کسکا ہے یہ چار آئینۂ جوہر دار — کسکا رہوار ہے یہ آج مین جسپر ہون سوار

کسکا یہ خود ہے، یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے، یہ سپر کسکی ہے

لیکن عام رجز کے قاعدے کے لحاظ سے، بعض بعض جگہ شجاعت اور زور و قوت کا بھی اظہار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین ؎

بخشا ہے مجھکو حق نے شہ لافتی کا زور — اس دست مرتعش مین ہے دست خدا کا زور
ہے انگلیون کے بند مین خیبر کشا کا زور — پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور

الٹون فلک کو یون، جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا

آگے بڑھون جو تیر کو چلہ مین جوڑ کے — بھاگین خطا شعار کمانون کو چھوڑ کے
بیکار کر دون شیر کا پنجہ مروڑ کے — پٹکون زمین پر در خیبر کو توڑ کے

الٹون طبق زمین کے یون جھک کے زین سے

جس طرح جھاڑ دیتے ہین گرد آستین سے

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کرون
آبے غضب خدا کا اُدھر رخ جدھر کرون
بے جبرئیل کار قضا و قدر کرون
اُنگلی کے اک اشارے مین شق القمر کرون

طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآب کی
رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زین پر
جب ہاتھہ اُٹھائے برق گری ہے زمین پر
خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر
کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

گھوڑے پر سوار ہونا

لو اب سوار ہوتے ہین عباس نامور
لو دامن قبا نے لیا بوسۂ کمر
لو ہٹ کے ہات آپنے رکھا ایال پر
لو آفتاب خانۂ زین مین ہے جلوہ گر

برچھا لیا سمند مین زانو کو داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

دو حریفون کی معرکہ آرائی اور فنون جنگ

فردوسی کا یہ بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لڑائی کے تمام جزئیات داؤن پیچ، اور فنون جنگ کا نقشہ کھینچتا ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ سرسری اور معمولی باتون کے سوا، لڑائی کے ہر قسم کے تمام کرتب نہین دکھاتا، سب سے بڑا سین جو اسنے دکھایا ہے وہ رستم اور اشکبوس کا معرکہ ہے اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

خدنگے بر آورد پیکان چو آب
نہادہ برد چار پر عقاب
بمالید چاچی کمان را بدست
بہ چرم گوزن اندر آمد شکست
ستون کرد چپ را و خم کرد راست
خروش از خم چرخ چاچی بخاست

چو زد تیر بر سینۂ اشکبوس
سپہر آن زمان دست او داد بوس

چو پیکان ببوسید انگشت او
گذر کرد از مہرۂ پشت او

اِن اشعار مین تیراندازی کا وہی معمولی طریقہ ادا کیا ہے، البتہ نہایت شاندار اور پُر زور الفاظ مین ادا کیا ہے۔ لیکن میر انیس، لڑائی کے ہر قسم کے کرتب اور ہنر اِس تفصیل سے بیان کرتے ہین کہ عربی اور فارسی مین اسکی نظیر نہین مل سکتی، ملاحظہ ہو

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی تکان
چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں

اک بندہ باندہ کر جو فرس سے کہا کہ ہان
ڈانڈا آ لی ڈانڈ پر توسن سے لڑی سنان

بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر

دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب
قبضہ مین لی کمان کیانی بہ صد غضب

چلہ مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب

تیرِ نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونون ہات کہ چلہ اُتر گیا

ہر با جانبین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب مین وہ شقی ہی بلا سے بد

حسرت سے وار کرتا تھا وہ بانی حسد
کہتا تھا بازوے شہ دین، یا علیؑ مدد

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو +
جسطرح روک لے کوئی سشہ زور بھول کو

لایا جو حرفِ سخت زبان پر وہ بدخصال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال

جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کا لال
اتنے بڑھے ہے کہ ٹہ گئی اسکی سپر سے ڈھال

او جھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پانون رکھدیے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا

ہان اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا

گھوڑا ابھی اسطرف کو، اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہات، کہ دو ہو کے گر پڑا + +

ایک اور موقع، ص

نیزے ہلے، وہ چل گئین چوٹین کہ الامان
چنگاریان اُڑین جو سنان سے لڑی سنان

ہر طعن قہر کی تھی، قیامت کے ہر نکان +
دو اژدہے گتھے تھے نکالے ہوئے زبان

پہلے شرر، پرندون کی جانین ہوا ہوئین
شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین

اُنکا نہ ایک وار، نہ اس کے ہزار بند
کیسا د نیزہ بازی مین تھا بار بار بند

بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
جوشن سے نیلگون تھے جفا جو کے چار بند

خالی گئی نہ فرق کی نہ دست و پا کی چوٹ +
کھلتی بھی ہے، بندھی ہوئی مشکلکشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سنان — گھوڑا اُڑا کے ہات کو اکبرؑ نے دی تکان
اللہ رے زور اُٹھ گیا گھوڑے سے پہلوان — دستِ شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ ناگہان
نیزہ کے ساتھ شور اُٹھا اس گروہ سے
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کھینچی تیغ — بدلا تھا اسنے ٹھاٹ کہ چمکی ادہر سے تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ — چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ

ولہ

چمکی سپر کے پاس، کبھی برق کی مثال — شانے پہ آئی سینہ پہ لی جب شقی نے ڈھال
سر کو بتا کے کاٹ گئی، وہ زرہ کا جال — چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بد خصال
روکے کسے؟ جواب کسے دے؟ کدھر پھرے؟
بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

چمکی جو تیغ، ڈھال وہ لایا قریب سر — اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
مغفر سے سر میں تھی، سر و گردن سے صدر پر — سینہ سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر
سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ایک اور موقعہ

تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرز گاؤسر — اکبرؑ نے دوش پاک سے لی ہاتھ میں سپر
آیا اُدھر سے گرز ادھر سے چلا تبر — دو ہو گیا عمود مثال غبار تر
گرز اسطرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمین پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

بھالا سنبھالا دشمنِ ایمان نے ملکے ہاتھ
نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھلکے ہاتھ
پہلے ہی بک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ
بڑھتا نہ تھا جو پانون تو رکتا تھا چل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی زور مین گروہ زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ اُن کو یاد تھا

رکھکر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
تھرا کے خود امان نے صدا دی کہ الحذر
یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے امان نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سنان کی زبان نہ تھی

بالا سے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
کھولے تمام نیزۂ بیدادگر کے بند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے مین کٹ گئے

ہٹکر خطا شعار نے جوڑا کمان مین تیر
تیر افگنی مین شہرۂ آفاق تھا شریر
سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر
چلّہ کٹا کمان کا زہے تیغ بے نظیر
قربان زور ضربت نصرت نشان کے
کھُلکر قضا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کمان
نیزہ اُٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہان
سیسر ادھر اُٹھی تھی کہ چمکی اُدھر سنان
بھالے کی نوک جھوک نہی تھی نئی کمان
سہما یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر

ناوک زمین پہ تھا تو کمان آسمان پر

ایک اور موقع ؎

بہم ہوئیں کمان پہ کمانیں جو کید کر + ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی اُدھر
کس نوک جھوک سے وہیں نیزے کو پھیر کر فرزند شیر حق نے دکھایا عجب ہنر

ظالم پہ آسمان سے بلا ناگہان گری
دو تین نیزہ اُڑ کے زمین پر سنان گری

چلہ میں رکھ کے تیر بڑھے قبلۂ اُمم اک ہات راست کر کے کیا دوسرے کو خم
کچھ کہہ کے گوش شہ میں چلا تیر تیز دم آواز دی کمان نے زہے شاہ باکرم

چلہ تو شست شاہ زمن سے نکل گیا +
وان تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

گھوڑا

فردوسی کے ہاں گھوڑے کی تعریف میں جستہ جستہ دو چار شعر پائے جاتے ہیں، لیکن متاخرین نے اس مضمون کو بہت وسعت دی، اور مبالغہ کو حد سے بڑھا دیا، سب سے پہلے **عبد الواسع جبلی** نے ایک قصیدہ کی تشبیب، گھوڑے کی مدح سے کی ؎

اے بہ بالا ہمچو آتش وے بسوئے پستی چو آب خاک وصفی در درنگ و باد رنگی در شتاب
گر کنی پویہ نباشد ابر با تو ہم عنان گر بری حملہ نباشد برق با تو ہمرکاب

مبالغہ ملاحظہ ہو ؎

از جبل پنہان شوی در سایۂ پر پشہ وز ہنر جولان کنی، در گوشۂ چشم ذباب

"ایک شعر کے بعد لکھتے ہیں کہ جب تو بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے، یا پستی سے بلندی پر چڑھتا ہے تو ؎

نسبتی داری ہمانا با قضاے آسمان	قربتے داری ہمانا با دعاے مستجاب

عرفی نے بھی ایک قصیدہ گھوڑے کی مدح مین لکھا ہے

اے طعن فلک نوشتہ بر سُم	وے زلف صبا بریدہ از دُم
بر غنچہ سبک روی بدانسان	کش خندہ نزاید از تبسّم
تازی بہ لب فسانہ پرداز	زان گونہ کہ نشکنی تکلّم

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے

آن سبک سیر کہ گر گرم عنانش سازی	از ازل سوے ابد و زابد آید بہ ازل
قطرہ ہا کش دم رفتن چکد از پیشانی	شبنم آسائش نشیند گہ رجعت بہ کفل
گر سر خصم تو بندند بہ پالیش دم نزع	تا قیامت بہ گلویش نرسد دست اجل

زلالی لکھتا ہے

ز جستن جستن او سایہ در دشت	چو زاغ آشیان گم کردہ می گشت

یعنی گھوڑا اسطرح جنگل مین اُڑتا پھرتا تھا کہ خود اس کا سایہ اس کو یون ڈھونڈھتا پھرتا تھا جس طرح کوّا اپنے گھونسلے کو ڈھونڈھتا پھرے۔

اُردو مین مرزا سودا نے کہا ہے

روبرو سے اگر آیینہ کے اس گلگون کو	پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک
اتنے عرصہ مین پھر آے تو اسے باور کر	عکس بھی آینہ سے ہونے نہ پاے منفک

مرزا دبیر صاحب فرماتے ہین ع سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہین سکتا۔

ان تمام اشعار کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فارسی اور اُردو مین، جو کچھ گھوڑے کی مدح مین لکھا گیا، وہ صرف ناممکنات کے افسانے تھے، کسی نے یہ نہین کیا کہ گھوڑے کا اصلی خدوخال، ڈیل ڈول

چہرہ مہرہ، چل پھر، اَوجاڈ، کا نقشہ دکھاتا،

میرانیس صاحب بھی اگرچہ مذاق عام کی پیروی سے اکثر بہکے ہین چنانچہ فرماتے ہین

ع آنکھون مین یون پھیرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو ؎

تنگی سے آسمان کی خفا یہ سمند ہے — کیونکر اُڑے، پری ہے کہ شیشہ مین بند ہے

تاہم اِن کا اصلی جوہر، بھی ہر جگہ نمایان ہے، ملاحظہ ہو، ؎

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون — گنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہووے سرنگون
رفتار مین وہ سحر کہ پریون کو ہو جنون — غنچے بھی کچھ بڑے ہین کنوتی کو کیا کہون

قربان ہزار جان فرس بے نظیر پر
پیکان دو چڑھے ہوئے ہین ایک تیر پر

نازک مزاج، خوش قد، وطناز و سربلند — وہ پیش دیس، وہ سم، وہ کنوتی، وہ جوڑ بند
ولہ کوتاہ و گرد، صاف، کنوتی، کمر، کفل — کیا خوشنما کشادگی سینہ و بغل
ولہ وہ تھوتنی، وہ ابلی ہوئی انکھڑیان، اوتیان — گویا کھُلے تھے، حور کے گیسو، پری کے بال
ولہ وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال — دم مین کبھی ہما، کبھی ضیغم، کبھی غزال

وہ قصر آسمان پہ بھی جانے مین طاق تھا
دو پر خدا اگر اسے دیتا براق تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند — سانچے مین تھے ڈھلے ہوئے سب اسکے جوڑ بند
سم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند — نازک، مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند

پتلی جدھر سوار نے پھیری وہ مڑ گیا
اُترا براق بن کے پری ہو کے اُڑ گیا

جرأت مین رشک شیر، تو ہیکل مین پیل تن
پوئی کے وقت کبک دری اجست مین ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہین ابر قطرہ زن
بن بن کے آنے جانے مین طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

افزون ہے زلف حور سے خوشبو ایال کی
دیکھین تو لین بلائین سدا بال بال کی
پریان خرام ناز مین شاگرد چال کی
غصہ مین جست شیر کی، شوخی غزال کی

وہ حُسن تن پہ سازکا - جوبن براق کا
دُلدُل کے ہات پانون تو چہرہ براق کا

غصے مین انکھڑیون کے اُبلنے کو دیکھیے
جوبن مین جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے مین جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
تھم کر کنوتیون کے بدلنے کو دیکھیے

وہ تھوتھنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیان خجل ہون ہرن جسکو دیکھہ کر

ع وہ شوخیان فرس کی، وہ سرعت، وہ آؤ جاؤ،

گھوڑے کے غیظ کی تصویر

مانند شیر غیظ مین آیا وہ پیل تن
آنکھین اُبل پڑین صفت آہوے ختن
ماری زمین پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
غل پڑ گیا کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن

میخین زمین کی اسکی تگاپو سے ہل گئین
دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین

گھوڑے کی تیز روی اور چل پھر

سمٹا جما اُڑا، اِدھر آیا اُدھر گیا
تیروں سے اُڑکے برچھیوں میں بے خطر گیا
چمکا بپھرا، جمال دکھایا ٹھہر گیا
برہم کیا صفوں کو، پرے سے گذر گیا

گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا، صفوں میں فرس جھوم جھوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے
سرعت بلائیں لیتی تھی منہ چوم چوم کے
غل تھا یہ غول میں پسر سعدِ شوم کے

رخش ایسا روم و رے میں نہیں، شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو ابلقِ ایام میں نہیں

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال
کبک دری خجل، دلِ طاؤس پائمال
اک دو قدم میں بھول گئے، چوکڑی غزال

جو آ گیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبد دوار بن گیا
آیا عرق تو ابرِ گہر بار بن گیا
نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا

حیران تھے اسکے گشت پہ لوگ، اُس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

تلوار مرثیہ گویوں کا سب سے بڑا موضوع شاعری یہی ہے، اور مرزا دبیر صاحب تو اس عالم میں لامکان تک پہنچ جاتے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سب کچھ کہتے ہیں اور غور سے دیکھیے تو (تلوار کے متعلق

کچھ نہین کہتے، چنانچہ فرماتے ہین -

مرزا دبیرؔ

مدِ نگہ چشمِ نیام اوج پر آیا ✤
اور صاف ہراک فرد بشر کو نظر آیا

ولہ
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا
یا دوڑ کے ظلمت کے گلے سے خضر آیا

ولہ
ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کیے پھری
یونس کو جیسے بطن مین ماہی لیے پھری

ولہ
مثل ہوا سرون مین سمائی چلی گئی
بو کی طرح دماغون مین آئی چلی گئی

ولہ
ذات اک طرف مٹا دیا اسنے صفات کو
کیسی زبان، زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو

ولہ
کاف شگاف بن کے درون جگر گئی
مانند میم مرگ، میانِ کمر گئی

ولہ
لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی
مانند پیش ہر جزو کل سے گذر گئی

ولہ
تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی
جل بھن کے آب تیغون کی زمین دہوان ہوئی

ولہ
گیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو آب حسام
فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام
بنا خزانۂ قارون خرابہ حمام
ہوا رطوبت اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد وفور گرا ✤
کیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا ✤

خود انصاف کرد، یہ تلوار کی تعریف ہے یا ہوائی طلسم ہے -

میر انیسؔ صاحب بھی اگرچہ سامعین کی بدمذاقی کے اثر سے کہین کہین بے راہ نکل جاتے ہین، تاہم واقعیت اور اصلیت کا جوہر ہر جگہ نمایان رہتا ہے، سب سے پہلے، دیکھو تلوار کا سراپا کسطرح کھینچتے ہین ؎

پشہ وہ اس کا اور وہ باریکی خمیر
کس بل مین بے مثال، اصالت مین بے نظیر

ولہ
دلسوز شعلہ خو اسپر انداز جانگداز
لشکر کش و شکست رسان و ظفر نواز

خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز ۔۔ حاضر جواب، تیز طبیعت زبان دراز

تیغ اس کی ہے پسند جہان گو سجی نہ ہو
معشوق کچھ نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو

ذوالفقار سے تشبیہ ۵

جوہر وہی، برش کا وہی طور، خم وہی ۔۔ تیزی وہی غضب کی، وہی گھاٹ، دم وہی
چلنا اسی طرح کا، چمک دمبدم وہی ۔۔ رنگت زمردی وہی، پانی مین سم وہی ٭

تلوار کا کاٹ اور اسکی تعریف

چمکی، گری، اُٹھی، ادھر آئی اُدھر گئی ۔۔ خالی کیے پرے، تو صفین خون مین بھر گئی
کاٹے کبھی قدم، کبھی بالا سے سر گئی ۔۔ ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی

غل تھا یہ کیا ہے، جو قہرِ صمد نہین
ایسا تو رو دنیل مین بھی جزر و مد نہین

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری ۔۔ کٹ کر کسیکی تیغ، کسیکی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ، کبھی فرق پر گری ۔۔ سر کاٹ کر، ادھر سے جو اُٹھی اُدھر گری

زرہین تنون مین مثلِ کفن چاک ہو گئین ٭
اک آن مین صفین کی صفین خاک ہو گئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یہ یا خدا کا قہر ۔۔ بہتی ہے جسکی آگ سے کوسون لہو کی نہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکی نہین ہے لہر ۔۔ اُتری گلے سے، چڑھ گیا سارے بدن مین زہر

زخمون سے جسم، ڈر سے کلیجے فگار ہین ٭
جوہر نہین ہین تیغ مین، دندانِ مار ہین

یکتا برش مین جو ہر ذاتی مین فرد مین
چمکی احد مین خیبر و خندق مین بدر مین
تیزی وہی تھی سان کی اس آشوب غدر مین
بڑھ کر سپر سے سر مین گئی اسر سے صدر مین
کھچتی ہوئی سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی، یہ گری
برچھی سے اُڑ گئی وہ سنان، یہ گرہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری
یہ سر اُڑا، وہ خود اُڑا، یہ زرہ گری
آتی ہے لشکرون پہ تباہی اسطرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

سر لوٹتے تھے برچھیون والون کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت مین بھالون کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالون کے ہر طرف
پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالون کے ہر طرف
خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھین کٹی ہوئین شاخین کمان کی

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے
تنہی تھی بس تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانئے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہات مین اُڑا کے کلائی نکل گئی
کوندی، گری - زمین مین سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
چنچل تھی اک کہ دام مین آئی نکل گئی
چار آئینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے

جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہنچوں سے ہات، شانوں سے بازو، تنوں سے سر
قبضہ سے تیغ، بر سے زرہ، ہات سے سپر
برچھی سے پھل، کمان سے زہ۔ زین سے تبر
ترکش کہین پڑے تھے نشان زری کہین
پیکان کہین تھی، شست کہین تھی، سری کہین

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر
اُڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ ہر اک سپر
چھپتی تھین بھاگی جاتی تھین، گرتے تھے خاک پر
قبضوں سے تیغین جسم سے روحین تنوں سے سر
سپے تھے قدم، گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی اسر اعدا سپند تھے

چھپتے تھے یون وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک
بھاگے شعاع مہر سے جسطرح شپرک
اوج سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک
چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک
ہر شے تھی خوف جان سے خضوع و خشوع مین
سجدے مین تھی زمین تو فلک تھا رکوع مین

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آ کے اوج سے
پیراک جسطرح نکل آتا ہے موج سے
چمکی جو برق سی تو نکل آئی تنگ سے
رُکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اسکے سامنے تھا پھپولا حباب کا

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
آتش کسی جگہ کہین بجلی کہین سحاب
سیلی تھی اک پری کے تشکم پر کہ اُسکی تاب
تیزی زبان ہے وہ کہ فرشتو نکو دے جواب

جو ہر نہے اُس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی
بجلی بھی ابر بھی خزان بھی بہار بھی
غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بہنا بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی

پانی نے اُسکے آگ لگادی زمانے مین
اک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

نیزون کے بند بند قلم برچھیان دونیم
چار آئنہ کٹے ہوئے گرز گران دونیم
مثل قلم زبان دراز سنان دونیم
مغفر سے تا کمر جسدِ پہلوان دونیم

سالم تھا پیش آئنۂ تیغ جو نہ تھا
لشکر مین کونسا تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا

وہ تیغ جب بڑھی صف کفار ہٹ گئی
دم بھر مین یون صفون کو اُلٹ کر پلٹ گئی
چمکی جو برق ڈھالون کی بدلی سمٹ گئی
رن کی زمین لہو کے ڈریڑون سے کٹ گئی

دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ نہر فرات کا پانی لہو ہوا

اس موقع پر شاید تمھارے ذہن مین یہ خیال آئے کہ میر انیس کی زرمیہ مین گو الفاظ کی شکوہ و شان کی کچھ انتہا نہین لیکن اصلیت اور واقعیت سے یہ مرحل دور ہے، کربلا کا واقعہ نتائج کے لحاظ سے بے شبہہ ایک اہم واقعہ ہے لیکن معرکہ آرائی کے لحاظ سے اسکی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سروسامان تھے دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعۃً ٹوٹ پڑا، اور تین گھنٹے مین لڑائی کا فیصلہ ہو گیا۔ ایسے واقعہ کے متعلق یہ کہنا کہ زمین تھرا گئی، آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے

دریا اُبل پڑے، فرشتے آسمانون مین چھپتے پھرتے تھے وغیرہ وغیرہ، واقعیت سے کسقدر دور ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری مین اصلیت اور واقعیت کا لحاظ تاریخی حیثیت سے نہین کیا جاتا، بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر کو ان واقعات کا یقین ہے یا نہین؟ اگر وہ ان باتون پر یقین رکھتا ہے، اُس کے اثر سے لبریز ہے، اور جس قدر اسکے دل پر اثر ہے اسی جوش کے ساتھ اُن کا اظہار بھی کرتا ہے تو اس کی شاعری بالکل اصلی ہے، فرض کرو کہ **شاہنامہ** کے تمام واقعات غلط ثابت ہو جائین تو اس سے **فردوسی** کی کمال شاعری مین کیا فرق آئے گا۔

شاعر کو قطعی یقین ہے کہ امام حسین علیہ السلام، تمام عالم کے کاروبار کے مالک ہین، جن و انس، شجر حجر، سب ان کے محکوم ہین، اُن کا غیظ مین آنا، گویا عالم کا غیظ مین آنا ہے، اس صورت مین اگر ان کی حملہ آوری سے زمین و آسمان دہل جائین، اور دنیا متزلزل ہو جاے تو استعجاب کی کیا بات ہے، یہ ضرور ہے کہ اس حالت مین بھی وہی واقعات بیان کرنے چاہئین جن سے طبیعت پر واقعی اثر ہو، صرف موہوم خیال بندی اور لفاظی نہ ہو، جیسا **مرزا دبیر صاحب** کا انداز ہے۔

یہ بات بھی بظاہر کھٹکتی ہے کہ رزم کے بیان مین عشقیہ الفاظ، استعمال کرنا، بلاغت کے خلاف ہے، اور **میر انیس** اکثر تلوار کی تعریف مین اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہین، شلاً ؎

کس تکلف سے وہ لیلائے ظفر، راہ چلی،	گہ بڑھی، گاہ رُکی، گاہ تھمی، گاہ چلی،
کاٹھی سے اسطرح ہوئی وہ شعلہ رو جدا	جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا،
سچ اس کی ہے پسند جہان کو بھی نہو	معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض کی بات نہین، بلکہ میر انیس کے محاسن شاعری مین داخل ہے، علامہ **ثعلبی** نے یتیمۃ الدھر مین جہان **متنبی** کے محاسن گنائے ہین وہان لکھتے ہین، ؎

منها استعمال الفاظ الغزل والنسيب فی اوصاف الحرب وهو ایضاً مما لم یسبق الیه وتفرّد به واظهر فیه الحذق	متنبّی کے محاسن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی کے بیان مین غزل کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور یہ بھی اُس کی اُن خصوصیات مین ہے جن کی پہلی کوئی نظیر نہین ملتی، اور جنمین وہ منفرد ہے،

اس کے بعد متنبّی کے بہت سے اشعار نقل کئے ہین جن مین سے ایک یہ ہے، ؎

قد صبغت خدها الدماء کما یصبغ خد الخریدة الخجل	زمین کے چہرہ کو خون نے اسطرح رنگین کردیا ہے جسطرح شرم کی حالت مین معشوق کے چہرہ پر سرخی آجاتی ہے،

لیکن یہ بہت نازک موقع ہے رزم مین عشقیہ الفاظ اور تشبیہات کا استعمال وہین تک جایز ہے جہان تک کلام کا اثر نہ جانے پائے، اور کلام مین ابتذال نہ آجائے، مرزا دبیر صاحب نے بھی میر انیس کی تقلید کرنی چاہی لیکن کلام کا یہ رنگ ہوگیا ؎

تلوار کی تعریف	جب خون مین بھری، فوج کے انبوہ سے نکلی		غل یہ تھا کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی،

سلام

اُردو شاعری کی اصلی بنیاد غزل کی زمین پر قایم ہوئی، اور اقسام سخن مین سے اسی کو سب سے زیادہ فروغ ہوا، عام مرثیہ گویون نے اپنے مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے مسدس کا طریقہ اختیار کیا، لیکن غزل کی لے اسقدر کانون مین رچ چکی تھی کہ ان لوگون کو بھی اُس انداز مین کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا تھا، اس بنا پر انھون نے غزل کی طرز پر سلام ایجاد کیا، سلام کی بحرین وہی غزل کی ہوتی ہین، غزل کی طرح مضمون کے لحاظ سے ہر شعر الگ الگ ہوتا ہے، سلام کی خوبی یہ ہے کہ طرح شگفتہ اور نئی بندش سادہ اور صاف، مضمون دردانگیز اور پُرتاثیر ہو، میر انیس کے سلامون مین یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، نمونہ ملاحظہ ہو ؎

صبر کرتے تھے سلامی! شہ والا کیا کیا
اہل کین دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے پانی نہین ملتا لیکن
سامنے آنکھون کے لہراتا ہے دریا کیا کیا

سر شبیرؑ سے کہتے تھے یہ رو رو سجّادؑ
رنج دیتے ہین مجھے راہ مین اعدا کیا کیا

ق

طوق و زنجیر سنبھالون کہ مہار اونٹون کی
کام اتنے ہین کرون مین تن تنہا کیا کیا

رو رو کہتی تھی صغرؑا کہ کہے جا قاصد
تو نے کیا کیا کہا اور شاہ نے پوچھا کیا کیا

دیکھ کر فوج حسینی کو عدو کہتے تھے
ساتھ لائے ہین جوان سید والا کیا کیا

خط لیے لاشۂ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امام
دیکھو بیٹا! تمھین صغرؑا نے ہے لکھا کیا کیا

ایضاً

کچھ اور چیز زبان نہین اہل سخن کے پاس
مجرائی کیا زبان کے سوا ہی؟ دہن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوئے شہید
روتے ہوئے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس

چلائی بانوؑ دیکھ کے اصغرؑ کو قبر مین
مجھکو بھی گاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس

صدمہ سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پانون
جس وقت بیڑیان نظر آئین رسن کے پاس

ایضاً

سلامی! آنکھ سے رہ رہ کے خونِ دل ٹپکتا ہے
غمِ سجادؑ بیکس دل مین کانٹا سا کھٹکتا ہے

دمِ تحریر گلکاریہی ہے یا سطرین ہین کاغذ پر
صریرِ کلک ہے یا باغ مین بلبل چہکتا ہے

پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت
وگرنہ رہبرِ عالم کہین رستہ بھٹکتا ہے

حرم روئے کہا جب آسمان کو دیکھ کر شہؑ نے
علی اکبرؑ اذان دو صبح کا تارا چمکتا ہے

زمین کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہین
شہیدون کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے

تن رنجور پر ہاتھ اپنا زینبؑ رکھ نہین سکتی
تپِ غم سے بدن سجادؑ کا ایسا دہکتا ہے

کہا بانوؔ نے نشہ سے تیر چلتے ہیں کلیجہ پر
مرا منہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھوں سے تکتا ہے
یہ ننھے ننھے دونوں ہاتھ بل کھاتے ہیں سینہ پر
مسوڑے ہو گئے ہیں نیلگون تالو لپکتا ہے
ق

ایضاً

مجرئی! جب کہ عیاں ماہ عزا ہوتا ہے
چرخ پر ماتم شاہ شہدا ہوتا ہے +
پھیر دین آنکھیں جو اصغرؔ نے پکاری بانو
دوڑو واسے بی بیوا دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے
وہ بیٹوں کو لگی رن میں تو زینبؑ نے کہا
لاشیں آتی ہیں اگر فضل خدا ہوتا ہے
کہتی تھی خلق خدا دیکھ کے عابدؔ کو اسیر
کہیں بیمار بھی رسی سے بندھا ہوتا ہے

ایضاً

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو
یہ جھریاں نہیں ہاتوں پہ ضعف پیری نے
چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
بھلا تردد بیجا سے اس میں کیا حاصل
اُٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو
خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

رباعیات

صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے زیادہ موزون چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیام، سحابی، سلطان ابو سعید ابوالخیر نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، اُنھوں نے رباعی کے سوا، تمام عمر میں اور کچھ نہ لکھا،

اُردو شاعری میں چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کیے گئے، اس لئے رباعیان بہت کم پائی جاتی ہیں،

سودا نے البتہ نہایت کثرت سے رباعیان لکھین لیکن اکثر عشقیہ یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہین، میر انیس کی رباعیون کا ایک بڑا دفتر ہے اور ہر رباعی مین کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے بعض ایسی بھی ہین جن مین صرف مضمون بندی، یا کوئی صنعت ہے، چنانچہ ہر قسم کے نمونے ذیل مین درج ہین ۔

اب خواب سے چونک، وقت بیداری ہے مرمر کے پہنچتے ہین، مسافر وان تک	رباعی	بے زاد سفر، کوچ کی طیاری ہے یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے
ہموار ہے، گر تو تجکو کچھ باک نہین پاتا نہین تند خو، کدورت کے سوا	ایضاً	سرکش ہے اگر، تو عقل وادراک نہین دامن مین ہوا کے کچھ بجز خاک نہین
راہی طرف عالم بالا ہون مین یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے	ایضاً	دنیا سے عدم کو جانے والا ہون مین گویا اک ہڈیون کی مالا ہون مین
عمر بھر کے مسافر نے لبھایا ہے تجھے کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤن اے قبر	ایضاً	رنج سے پھر اسکے منہ دکھایا ہے تجھے مین نے بھی تو جان دیکے پایا ہے تجھے
کٹ جاتے ہین خود رنگ بدلنے والے اللہ رے سخن کی تیری تاثیر انیس	ایضاً	کب تھمتے ہین اشک جو ہین ڈھلنے والے رو دیتے ہین مثل شمع، جلنے والے
ہشیار کہ وقت سازو برگ آیا ہے محتاج عصا ہوے تو پیری نے کہا	ایضاً	ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے چلیے اب چوبدار مرگ آیا ہے
نافہم سے کب داد سخن لیتا ہون چھپتی نہین بوے دوستان یکرنگ	ایضاً	دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہون کانٹون کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہون

رتبہ جسے دنیا ہے خدا دیتا ہے کرتے ہین تہی مغز ثنا آپ اپنی	رباعی	وہ دل مین فروتنی کو جا دیتا ہے جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے
کیا قدر زمین کی آسمان کے آگے نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہین	دیگر	جھکتے ہین قوی بھی ناتوان کے آگے دندان صف بستہ ہین زبان کے آگے
جس شخص کو عقبےٰ کی طلبگاری ہے ایک آنکھ مین کسطرح سمائین دونون	دیگر	دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے غافل! یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے
کس دن فرسِ خامہ تگ و دو مین نہین ہرچند کہ ہون خسروِ اقلیمِ سخن	دیگر	مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو مین نہین پر غیر دوات، کچھ قلمرو مین نہین
جس جا ذکرِ حسین ہو جاتا ہے آکر بزمِ عزائے شہ مین رونا	دیگر	رونے سے دلون کو چین ہو جاتا ہے ہر شخص پہ فرضِ عین ہو جاتا ہے
جو روضہ مین باریاب ہو جاتا ہے جلتا ہے جو شب کو قبرِ حیدر پہ چراغ	دیگر	ہر کام مین، کامیاب ہو جاتا ہے وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے

اعتراضات

میر انیس کے کمال کا اگرچہ جس قدر مجھکو اعتراف ہے شاید ہی کسی کو ہوگا، تاہم میرا یہ دعویٰ نہین کہ انکا کلام فروگذاشتون اور غلطیون سے پاک ہے۔

ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین، ان مین باوجود دعویِ آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رخ اسکو دکھائے جائین، لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین، جس چیز

نے ان کو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے جس کا اثر رگ و پے مین سرایت کر گیا ہے۔ اور عذر کرنے والون کو خود اس کا احساس نہین ہوتا اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ جو لوگ، ان اکابر کی تقلید کرتے ہین ان مین ہزارون ایسے ہوتے ہین جن کو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی اس لئے وہ اچھی باتون کے ساتھ، اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین، اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اسکا اثر پھیل جاتا ہے۔

بہرحال ہماری راے ہے کہ جس وسعت اور تفصیل کے ساتھ میر انیس کی خوبیان ظاہر کی گئی ہین، اسی طرح نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ ان کی ہر قسم کی فروگذاشتین اور غلطیان بھی ظاہر کی جائین۔

ایک زمانہ ہوا عبد الغفور خان نساخ نے میر انیس کی بہت سی غلطیان ایک رسالہ مین ظاہر کی تھین، چنانچہ شروع کتاب مین اسکا ذکر گذر چکا ہے۔ پہلے ہم ان اعتراضات کو اجمالاً مع جواب کے نقل کرتے ہین۔

۱۔ میر صاحب نے جا بجا۔ سینہ۔ مدینہ۔ کینہ۔ قرینہ۔ کو دانا اور بینا کا قافیہ باندھا ہے مثلاً ؎

حق نما ہے تو جہان مین ہے یہی آئینہ	اسکا عاشق ہو تو ہون کور کی آنکھین بینا

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قدما کا طریقہ تھا اور میر انیس کا ابتدائی کلام، قدما کے استعمال کے موافق ہے۔ اس جواب پر اسقدر اور اضافہ کرنا چاہیئے کہ گو متاخرین نے اسکو ترک کر دیا لیکن کلام کی وسعت کے لیئے یہ سختیان اٹھا دینی چاہئین، شاعری سے وصل اور ہجر کے سوا، اور بھی کام لینے ہین اور وہ بغیر اس کے نہین ہو سکتا کہ قافیہ مین وسعت پیدا کی جائے، ورنہ شاید یورپ کی طرح اسرے سے قافیہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

۲۔ جن الفاظ مین نون کا اعلان ضرور ہے میر صاحب اکثر جگہ، اعلان نہین کرتے۔ مثلاً ؎

عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہ دو جہان	تم جا کے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جان

اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے

۳- جہان نون کا اعلان جائز نہین، وہان اعلان کرتے ہین، مثلاً ؎

لپٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے	سینے سے تو سرک تو مرے بابا جان کے

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شعر میر صاحب کا ہے ہی نہین، الحاقی ہے- لیکن میر صاحب کے ہان کثرت سے اس کی مثالین پائی جاتی ہین، اس لئے یا تو میر صاحب کی غلطی تسلیم کرنی چاہیے یا یہ کہنا چاہیے کہ یہ بھی میر صاحب کی توسیعات شعری مین داخل ہے ؎

۴- گویا کہ تھا شبیہ الم سبز نشان	ڈوبا تھا خون سے پنجۂ پُر نور او نشان

اس شعر مین سبز کا قافیہ اور ہے اور یہ بالکل غلط ہے- اسکا جواب یہ دیا ہے کہ مصرع ثانی اصل مین یون ہے- "ڈوبا تھا خون مین پنجۂ پر نور زر نشان"-

۵- اکثر جگہ شایگان قافیے ہین، چنانچہ نساخ نے بہت سے اس قسم کے شعر نقل کئے ہین، مجیب نے ان تمام شعرون سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یون نہین بلکہ یون ہین، مثلاً اس بند مین ؎

ناگاہ بڑھی فوج، ہوا جنگ کا سامان	اور گھٹنے لگی طاقت جسم شہ مردان
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیرون کا باران	تلوار علم کر کے کہا یا شہ مردان

شہ مردان مکرر آیا ہے، مجیب صاحب کہتے ہین کہ دوسرے مصرع مین شہ مردان کے بجائے شہ ذی شان تھا- غلط نویسون نے ذی شان کا شہ مردان بنا دیا، لیکن اس قسم کی تاویلات پر اعتبار کرنا مشکل ہے، اور اگر اسکو وسعت دی جائے تو جہان جس لفظ پر اعتراض ہو نہایت آسانی سے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یون نہین، یون تھا- اس شعر مین تو سرے سے اعتراض ہی غلط ہے کیونکہ شہ مردان سے ایک جگہ امام حسینؑ، اور دوسری جگہ حضرت علیؑ مراد ہین، اس لئے قافیہ مکرر نہین لیکن

جہان واقعی قافیہ شایگان ہے وہان بھی تاویل کی ضرورت نہین، جو اساتذہ کثیر الکلام ہین اور جنکو سیکڑون قسم کے مضامین ادا کرنے پڑتے ہین، وہ اس قسم کی قیدون کی پابندی نہین کرتے ۔

۶ - اکثر جگہ حروف تقطیع مین گرجاتے ہین ۔ مثلاً

ع رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر

ع یہ کہہ کے بس عورات نے عریان کئے سر

ع باہین جو گلے مین تھین تو بند دیدۂ خونبار

ان اعتراضات کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سب کاتبون کی غلطی ہے، پہلا مصرع یون ہے

ع بیوہ ہوئی اک رات کی بیاہی ہوئی دختر، اسیطرح اور مصرعون کو بدلا ہے ۔

حرفون کا تقطیع مین گرنا، اگرچہ واقعی ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن اساتذہ کے ہان کثرت سے اس کی مثالین پائی جاتی ہین ؎

عزت شیرازی	مرا پند خردمندان بحال خود نمے آرد	بااین افسانہا مجنون عشق عاقل نمیگردد	
عاقل	تاتوانی تختہ بند یک مقام عاقل مباش		
علی	اے رگ جان بہار این ہمہ سرخی چیست	خاک از مقدم تو خون شدن عادت دارد	
غنی	تن گل عارض گل، بدن گل چہرہ گل رخسار گل		
	بدہ ساقی آن آب یاقوت را	کہ سازم علاج عقل فرتوت را	

ان کے سوا اور بہت سی مثالین ہین، جنکو تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کیا گیا ۔

۷ - ناگاہ بجا فوج عدو مین طبل جنگ ۔

ہو مغفرت خلیق کی یارب ذوالکرام ۔

طبل متحرک الاوسط صحیح نہین، اور ذوالکرام مہمل لفظ ہے مجیب صاحب کہتے ہین کہ اصل مین

طبل کے بجاے دُہل، اور ذوالکرام کے بجاے یا خالق الانام ہے۔

۸- تھا زیر زرہ گاوسر اسطرح کا بکتر

اعتراض بکتر گاو سر نہین ہوتا -

جواب - اصل مین یون تھا ع پہنے ہوے زیر زرہ اسطرح کا بکتر-

۹- اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا عالی، "کونین کا عالی" غلط ہے-

جواب - اصل مین عالی کے بجاے والی ہے -

۱۰- رنگ رخ کفار رعب ہوگیا فق سے — رنگ فق سے ہوگیا محاورہ نہین،

اسکا جواب یہ دیا ہے کہ میر انیس جو کچھ کہہ دین وہی محاورہ ہے -

۱۱- شرمندہ زمانہ سے گئے وایل وسحبان، — وایل کوئی فصیح نہین گذرا -

جواب - اصل یون ہے - وعیل وسحبان -

ان اعتراضات کے علاوہ، نساخ نے اور بھی بہت سے اعتراض کیے ہین لیکن چونکہ وہ صحیح نہ تھے قلم انداز کیے گئے، نساخ نے بہت سے صحیح اعتراضات چھوڑ بھی دیے اُن کی تفصیل ذیل مین ہے -

بت توڑ کے کعبہ کو صفا کر دیا کس نے،	"صاف کر دیا" چاہیے-
برخاست کی چراغون کو پروانگی ہوئی،	پروانگی غلط ہے-
جو حرف قرآن کا ہے وہ ہے لائق تعظیم	قرآن بروزن فُعلان ہے -
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا	بے آس کا عطف بیکس پر جایز نہین -
گرتے تھے طیوران ہوا کھولے ہوئے پر	طیور- خود جمع ہے، اسکی جمع الجمع نہ صحیح ہے نہ مستعمل
جو خوبیان کہ چاہین وہ سب حصول ہین	حصول کے بجاے حاصل چاہیے -
کمتی نہین پانی کی سلامت رہین عباسؑ	کمتی انفار اور اراذل کی زبان ہے -

والد اس سے زور عیان لا تعد ہوا	قتل اسکے ہات سے عمر عبد ود ہوا
عبد ود، لا تعد کا قافیہ نہین ہوسکتا۔	
کرار ہے وہ شخص نہ غیر فرار ہے	فرار پہ تشدید ہونا چاہیئے۔
عالم کی تغیری پہ بجا لی کی ہے آمد،	تغیری۔ صحیح نہین۔
مت روکنا ہے خاطر مہمان واجبات،	واجبات سے، یا واجب چاہیئے۔
اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہوگئی شیرین	خوش چاہیئے۔

اِس قسم کی اور بہت سی غلطیان ہین، اور غلط نویسی کا عذر ہر جگہ کام نہین آسکتا حقیقت یہ ہے کہ میرانیس کے کلام مین اس قسم کی غلطیان ضرور موجود ہین لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر قادر الکلام اور پُر گو شعرا گذرے ہین سب کی یہی حالت ہے فردوسی سے بڑھ کر کون قادر الکلام ہوگا، متاخرین مین قاآنی کا جواب نہین، ان دونون کے کلام مین اس قسم کی بے اعتدالیان نہایت کثرت سے موجود ہین۔ لوگ، اُن شعرا کو نمونہ بناتے ہین جنکی شاعری کا دایرہ۔ چند عشقیہ خیالات تک محدود ہے۔ لیکن جو شخص سیکڑون قسم کے مختلف واقعات کو شعر مین ادا کرنا چاہتا ہے ان مسامحات سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ اس لیے قادر الکلام شعرا کو اس جرم سے بری رکھنا چاہیئے۔

لفظی غلطیون کے سوا معنوی حیثیت سے بھی بہت سی باتین قابل اعتراض ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ اکثر جگہ مصرعون مین باہم ربط نہین ہوتا اور صاف نظر آتا ہے کہ دوسرا مصرعہ برجستہ نکل آیا تھا اسکے لیے زبردستی قافیہ اور ردیف کی رعایت سے اوپر کا مصرعہ پیوند کیا ہے مثلاً ؎

سر پر کہین ہوے ہین سینچی سے دنی کہین	بوڑھی کہین بھی ڈانڈ کہین تھی انی کہین
سمجھو نہ دور آنکھہ ملانے کی دیر ہے	پتلی ہے چشم مین کہ ترائی مین شیر ہے

کی تعریف

مطول کی تعریف

بے مثل تھی شرف مین اصالت مین نیک تھی	ملجا تھین وو زبانین جو اس کو تو ایک تھی
خواہان تھی زیب گلشن زہرا جو آب کے	شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے
ہالے تھے دو ملے ہوئے گھوڑے کی گشت سے	خاک آسمان پہ جاتی تھی اُڑ اُڑ کے دشت سے
بدھات مین شکست ظفر نیک ہات مین	ہات اُڑ کے جا پڑا کبھی ہات ایک ہات مین

اس قسم کے اور سیکڑون اشعار ہین۔

(۲) اکثر جگہ لفظی رعایت کی پابندی کی وجہ سے کلام، اوچھا اور بے اثر ہو جاتا ہے مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کا تمہیدی فقرہ سُن کر تمام لشکر مین جب سناٹا چھا گیا ہے تو اس موقع پر لکھتے ہین ؎

یہ سدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش	تھم گیا طبل وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش	کیا بجاتے کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش

چھیڑنا اُن کو سرود و ن کا بھی ناساز ہوا
رُعب فرزند نبیؐ سرمۂ آواز ہوا

پہلے تین مصرعون مین رعب اور ہیبت کا جو اثر پیدا ہوا تھا، "سرود"، "ناساز" کی ضلع جگت نے اسکو بالکل زائل کر دیا،

یا مثلاً اس دعا مین ؎

اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری	بلبل کی زبان پر ہے تری شکر گذاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری	پھل ہمکو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

نخل، برومند، باری، پھل، ریاضت، کا التزام یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ دعا مانگنے والے کا دل خضوع خشوع سے زیادہ لفظی رعایتون مین لگا ہوا ہے،

یا مثلاً ان اشعار مین نہایت مبتذل طریقہ سے لفظی رعایت کو صرف کیا ہے،

ع بولے نہنگ، خوب نہین یہ اگر مگر،

ع سایہ کنوئین مین اُترا تھا پانی کی چاہ سے،

ع اب ہات دستیاب نہ تھے مُنہ چھپانے کو۔

ع آری جو ہوگئی تھین وہ سب ذوالفقار سے۔

ابن سعد حُر سے کہتا ہے

کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے — کہین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے

شجر قامت سرور پہ جو ڈالیگا نظر — سر چڑہیگا ترا برچھی پہ یہ ہے اسکا ثمر

الفت زلف سے بھی پیچ مین پڑجائیگا
خال رخ دیکھا تو تو خال یصے لگ جائیگا

بدر پیشانی سرور کا جو ہے سر مین خیال — تو اسی ماہ مین نقصان ترا ہوئیگا کمال

سب مین ہوجائیگا انگشت نما شکل ہلال — تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا وبال

عشق رخسار مین رتبہ ترا گھٹ جائیگا
مُنہ پہ کہتا ہون کہ چہرہ تیرا کٹ جائیگا

پانون یہ وہ ہین کہ ان پانون کو جو ہات لگائے — تو سر دست سرفرازی کونین کو پائے

اس قسم کی تکلف کی ہزارون مثالین ہین۔

ان تکلفات کی وجہ سے اکثر جگہ بلاغت کا سررشتہ بالکل ہات سے جاتا رہتا ہے مثلاً صغریٰ کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام، سفر مین ساتھ نہین لے جانا چاہتے اور اُن کی بیماری کا عذر کرتے ہین تو وہ کہتی ہین، کہ کیا گھر پر تنہا رہنے اور رونے پیٹنے سے مین اچھی ہوجاؤن گی اس موقعہ پر لکھتے ہین

ع غم کھانے سے آجائیگی قوت میرے تن مین؟

ان تمام اعتراضات کا صرف یہ جواب ہے کہ لفظی رعایت کی پابندی کے سوا جو لکھنؤ کی خمیر بنگیا

تھا، باقی عیوب، لازمۂ انسانی ہین، اور کسی بشر کا کلام اِن سے پاک نہین ہوسکتا،

سرقات

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ میر انیس (اور مرزا دبیر) کے بہت سے اشعار پر سرقہ کا گمان ہوسکتا ہے کیونکہ وہی مضامین بعینہٖ یا بہ خفیف تغیر قدیم اساتذہ کے ہان پائے جاتے ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب پر سرقہ کا اطلاق نہین ہوسکتا اساتذہ کا قاعدہ ہے جب وہ دیکھتے ہین کہ ایک مضمون کسی متقدم شاعر نے باندھا لیکن اچھی طرح نہ بندھ سکا، یا اس پر ترقی ممکن ہے تو وہ دانستہ اسی مضمون کو لیکر اسطرح ادا کرتے ہین کہ جو کسر تھی نکل جاتی ہے، اور شعر بلند رتبہ ہوجاتا ہے، فردوسی نے خیمہ کی تعریف لکھی تھی ؎

یکے خیمہ داشت افراسیاب	زمشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

نظامی نے دیکھا کہ مبالغہ اچھا ہے لیکن کوئی ثبوت نہین، انھون نے ایک تشبیہ پیدا کر کے ثبوت دیدیا ؎

یکے خیمہ داشت چون آفتاب	زمشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

آفتاب کی تشبیہ نے مشرق سے مغرب تک طنابون کا کھنچا ہونا ثابت کر دیا، کیونکہ آفتاب خیمہ سے اور اسکی کرنین طناب سے مشابہ ہین،

سعدی کا شعر تھا ؎

ترا ہر آئینہ باید بہ شہر دیگر رفت	کہ دل نماند درین شہر تا ربائی باز

شہر کے شہر کا دل چھین لینا معشوق کا کمال ہے لیکن معشوق کو یہ صلاح دینی کہ وہ کسی اور شہر کو چلا جائے لغویات ہے - اس لئے امیر خسرو نے اسکا چارہ کار یہ بتایا ؎

کسی نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی ٭ مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سلمان ساوجی کا شعر تھا ؏

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل ٭ شاہد آن است کہ این دارد و آنے دارد

خواجہ حافظ نے اسکو مطلع کرکے بلند کر دیا ؏

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد ٭ بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

سلمان کے شعر مین این و آن کا جو لطف تھا، وہ اچھی طرح ادا نہ ہوسکا تھا کیونکہ آن مین نون بہ اعلان ہے اسلئے آن (جو این کا مقابل ہے) کا ایہام نہین ہوتا۔ خواجہ حافظ نے اس نقص کو یون پورا کیا ؏

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن ٭ یار ما این دارد و آن نیز ہم

صاف نظر آتا ہے کہ ان لوگون نے دیکھا کہ ایک عمدہ بات پیدا ہوئی تھی لیکن ناقص رہ گئی ایک چیز کو ناقص چھوڑ دینا اچھا نہ تھا، اسکو پورا کر دیا، اگر اسکا نام سرقہ ہے اور یہ معیوب ہے تو دنیا مین ہر قسم کی صنعتین جو ایجاد ہوئین وہ اُسی پہلی حالت پر قایم رہنی چاہئے تھین چھکڑے کے بجائے فٹن اور بروم طیار کرنا بھی سرقہ قرار پاتا۔

میر انیس صاحب کے ہان جو سرقے پائے جاتے ہین اکثر اسی قسم کے ہین۔

مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یزید کی فوج کے سامنے اتمام حجت کے طور پر جناب رسالت پناہ سے اپنا تعلق ثابت کیا ہے تو یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسوقت میرے بدن پر جو اسلحہ اور ملبوسات ہین وہ آنحضرت صلعم کے ملبوسات ہین۔ اس مضمون کو میر ضمیر نے اس طرح ادا کیا تھا ؏

پہچانتے ہو کسکی ہے سر پہ یہ دستار ٭ دیکھو تو یہ قبا کسکی ہے کاندھے پہ نمودار

یہ کسکی زرہ کسکی سپر کسکی ہے تلوار ٭ مین جس پہ سوار آیا ہون کسکا ہے یہ رہوار

باندھا ہے کمر مین جسے یہ کسکی ردا ہے
کیا فاطمۂ زہرا نے نہین اس کو سیا ہے؟

یہ واقعہ مرثیہ کا ایک ضروری جزو تھا اس لئے میر انیس صاحب اسکو بالکل چھوڑ نہین سکتے تھے لیکن دیکھو، اسی بات کو کیونکر ادا کیا ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار	یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں جو مین سینہ فگار
بر مین کس کا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار	کس کا رہوار ہے یہ جس پہ مین جیسر ہون سوار

کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کسکی ہے

میر ضمیر	جب تک کہ ذوالفقار نے کاٹے نہ تن پر	ہر گز نہ دم لیا پر روح الامین پر
میر انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر	کاٹے مین کس کی تیغ دو پیکر نے تن پر
میر ضمیر	اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان	تھا اژدہا سے موسی عمران کی زبان
میر انیس	ع گویا زبان نکالے ہوئے اژدہا چلا۔	
میر ضمیر	اک نیزہ ہوا پار وہ سو سو کے جگر سے	رشتہ کا گذر ہوتا ہے جون سلک گہر سے
میر انیس	ہوتا تھا پار آکے وہ ہنگام دار و گیر	سو دل سے مثل رشتۂ تسبیح ایک تیر
میر ضمیر	کونین مین پکار ہوئی الاماں کی	انسان تو کیا جنون کو پڑی اپنی جان کی
میر انیس	ع چلاتی تھین پریان کہ خدا جان بچائے۔	

لیکن بعض اشعار ایسے بھی ہین جن مین کسی قسم کی ترقی نہین ہی بلکہ کسی قافیہ شعر کو بعینہ لے لیا ہے، اس قسم کے مضامین کو حسن ظن ہو تو توارد، ورنہ سرقہ کہنا چاہیئے۔ چند مثالین نمونہ کے طور پر ذیل مین لکھی جاتی ہین

میرانیس	پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس		اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے
لاادری			کوتاہیئے کہ بود زعمر دراز بود
میرانیس	عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس		یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا
بوعلی سینا	کردم ہمہ مشکلاتِ عالم را حل		ہر بند کشودہ شد مگر بند اجل
میرانیس	نافہ کی طرح عمر خطا مین گذری		بالون پہ سفیدی ہے سیاہی دل مین
کاتبی	بودیم ہمچو نافہ ہمہ عمر در خطا		موے سفید بین، و درون سیاہ ما
میرانیس	ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خار زار		ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار
نظامی	سنان بر سنان رستہ چون نوک خار		سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار
میرانیس	خود پیام زندگی لائی قضا میرے لئے		شمع کشتہ ہون، فنا مین ہے بقا میرے لئے
لاادری	چو نفی نفی اثبات است از مردن نمی ترسم		بقاے من چو شمع کشتہ باشد در فنائے من

میرانیس اور مرزا دبیر کا موازنہ

اُردو علم ادب کی جو تاریخ لکھی جائیگی، اس کا سب سے عجیب تر واقعہ یہ ہوگا کہ مرزا دبیر کو ملک نے میرانیس کا مقابل بنایا، اور اس کا فیصلہ نہ ہوسکا کہ اِن دونون حریفون مین ترجیح کا تاج کس کے سر پر رکھا جاے،

شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز کا، کسی واقعہ کا، کسی حالت کا، کسی کیفیت کا، اس طرح بیان کیا جاے کہ اسکی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاے،

دریا کی روانی، جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، پھولون کی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دہوپ کی سختی، گرمی کی طپش، جاڑون کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلاویزی یا

رنج وغم، غیظ وغضب، جوش ومحبت، افسوس وحسرت، عیش وطرب، استعجاب وحیرت، ان چیزون کا
اسطرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلون پر چھاجاے اسی کا نام شاعری ہے۔

اسکے ساتھ الفاظ مین فصاحت، سلاست، روانی، بندش مین چستی اور چستی کے ساتھ بے تکلفی
و لاویزی اور برجستگی، لطیف اور نازک تشبیہات اور استعارات، اصول بلاغت کے مراعات ان
تمام اوصاف مین سے کون سی چیز مرزا دبیر مین پائی جاتی ہے۔ فصاحت، ان کے کلام کو چھو بھی نہین
گئی، بندش مین تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات، اکثر دور از کار، بلاغت نام کو نہین،
کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت، کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہین، خیال آفرینی اور مضمون بندی
البتہ ہے لیکن اکثر جگہ اسکو سنبھال نہین سکتے،

ہماری یہ غرض نہین کہ ان کے کلام مین سرے سے یہ باتین پائی ہی نہین جاتین وہ نہایت پرگو تھے
ان کے اشعار کا شمار ہزارون کیا لاکھون تک ہے، اخیر اخیر مین وہ میر انیس کی تقلید بھی کرنے لگے تھے
اس بنا پر ان کے کلام مین جابجا شاعری کے لوازم اور خاصے پاے جاتے ہین، لیکن گفتگو قلت
اور کثرت مین ہے، میر انیس کے بہت سے اشعار مین فصاحت و بلاغت کا حصہ بہت کم ہے،
لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونون مین سے نسبتہً کس کا کلام، شاعری کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ میر انیس
کا عیب وہنر تم دیکھ چکے اب مرزا صاحب کے متعلق ہم ایک ایک چیز پر تفصیل لکھتے ہین۔

فصاحت ۔ یہ امر بدیہی ہے کہ مرزا دبیر کے کلام مین وہ فصاحت، اور شستگی نہین جو میر انیس
کے کلام مین ہے، اور اس کے مختلف اسباب ہین،۔

(۱) مرزا صاحب اکثر ثقیل اور غریب الفاظ استعمال کرتے ہین مثلاً

ع مستدعی شق القمر آکر ہوئے گمراہ۔

ع ہر کوہ کی آواز انا الطور انا الطور۔

ع النشر کا ہنگامہ ہے اس وقت حشر مین۔

لبیک و سعدیک تھا ورد ملک وحور۔

المنتہی یہ ربط یہ ضبط اس وغا مین تھے۔

خاص الخلاصۂ بنی آدم، کمال مین۔

یا رو اُستاد ایجِ نوشاہ کا بیان۔

رُخ بیّنۂ صدقِ کراماتِ پیمبر

مستجمع جمیع فضایل، ملک سیر

مُستغرقِ روح اُسنے کیا تب غُسل و تیر

لیکر رُطب و لیودوم کہنے لگے شاہ

میدانی و نقیب و عصادار و چوبدار

عرشی فلکی بڑھ کے نقیبانہ پکارے

اس قسم کے سیکڑون الفاظ ہین، ہم نے صرف دو تین مرثیون سے سرسری انتخاب کیا ہے، ورنہ سیکڑون ہزارون تک نوبت پہونچتی، یہ الفاظ، اگرچہ صحیح ہین، عربی اور فارسی مین مستعمل ہین، لیکن اُردو نظم کی سلاست اور روانی اُنکی متحمل نہین ہوسکتی۔

(۲) بعض الفاظ بجاے خود ایسے ثقیل و گران نہین لیکن مرزا صاحب جن ترکیبون کے ساتھ ان کو استعمال کرتے ہین، ان سے نہایت ثقل اور بعد این پیدا ہوجاتا ہے، یہ امر ان مثالون مین صاف واضح ہوجاتا ہے جہان ایک ہی لفظ یا الفاظ کو میر و میرزا دونون نے استعمال کیا ہے۔

ھل اتی ۔ انّما ۔ قل کفیٰ ۔ یہ چارون لفظ حضرت علیؑ کے فضایل کی تلمیحات (الیوژن) ہین ان تلمیحات کو ایک ایک بند مین دونون نے باندھا ہے، مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

اہل عطا مین تاج سر اہل اتی ہین یہ — اغنیا رلاف زن ہین، شہ لافتا ہین یہ
خورشید انور فلک انما ہین یہ — کافی ہے یہ شرف کہ شہ قل کفی ہین یہ

ممتاز گو خلیل رسولان دین مین ہین
کاشف ہے لو کشف یہ زیادہ یقین مین ہین

میر انیس کہتے ہین ؎

حق نے کیا عطا یہ عطا اہل اتی کسے — حاصل ہوا ہے مرتبۂ لافتا کسے
کونین مین ملا شرف انما کسے — کہتی ہے خلق، بادشہ قل کفا کسے

دنیا مین کون منتظم کائنات ہے
کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

مرزا صاحب کے کلام مین اس قسم کی ناموزونی نہایت کثرت سے ہے، ہم صرف چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین ؎

ع اک شخص کمر شہ کی لگا باندہنے خورسند
ع اک دلو بھرو پانی سے اور ایک طلب لو
ع نوبت زن نہ بام عروج فلک پیر
ع ملبوس قلمکار نہ دون ہے نہ پرانا ؎

سر کو عوض پارۂ مدحت مین دہرون گا — شرح کہن ناطقہ منسوخ کرون گا

ع یہ صورت پیغمبر توسین مکان ہے ؎

ہے طلعت جلد و نفس سینہ یہ محسوس — وہ برق شفق مین تو یہ پروانہ یہ فانوس
ناگاہ کہلا دشت مین بازار زد و کشت — تیغین کہچین یکدست تلے گر ہی تیت

ع نہ چشم جراحت نہ رہ قوت کو دیکھا

کہتے ہین جسے عاشق شیدا ملک وناس

خیاط عہد طفل شاہِ انام تھے

اسکی ثنا مشقتِ مالایطاق ہے

نانا نے تو قلم کیئے جبریل کے سے پر ؎

کفار بڑے طیش سے ہونٹون کو دبا کے		دانتون کے تلے بال محاسن کے دبا کے

آمد ہے امام سوم ہر دو سرا کی، ؎

اس سر پہ دہرے ہات بہ قسمیہ اجل ہے		بس ہدیۂ اللہ کے قابل یہی پھل ہے

بندش کی سستی اور ناہمواری میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی جو چیز مابہ الامتیاز ہے وہ الفاظ کی ترکیب، نشست اور بندش، کا فرق ہے، میر انیس کا کلام تم پڑہ چکے ہو، ان کا اصلی جوہر بندش کی چستی۔ ترکیب کی دلآویزی۔ الفاظ کا تناسب، اور برجستگی وسلاست ہے؛ یہ چیزین مرزا صاحب کے ہان بہت کم ہین، ایک ہی مصرعہ مین ایک لفظ نہایت بلند اور شاندار ہے دوسرا مبتذل اور پست ہے، بند کا ایک شعر اس زور شور کا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرجتا آرہا ہے، دوسرا بالکل پھیکا اور کم وزن ہے، دو تین بند صاف اور سلیس نکل جاتے ہین پھر تعقید اور بے ربطی شروع ہوتی ہے، اکثر جگہ، الفاظ بڑے دہوم دہام کے ہین لیکن حاصل کچہ نہین، یہ باتین اگرچہ عام طور پر اُن کے تمام مرثیون مین پائی جاتی ہین لیکن نمونہ کے طور پر ہم چند بند اُن مرثیون کے نقل کرتے ہین جو بڑے زور کے مرثیے خیال کیے جاتے ہین اور جن مین بعض میر انیس کے جواب مین لکھے گئے ہین ؎

اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے		اے طنطنۂ طبع جزو کل کو ملا دے

اے معجزۂ فکر فصاحت کو جلا دے
اے زمزمۂ نطق بلاغت کا صلہ دے

اے بائے بیان معنی تسخیر کو حل کر
اے سین سخن قاف سے تا قاف عمل کر

یہ مرثیہ میر انیس کے جواب مین ہے، کس زور شور کی اٹھان ہے، کیسے پُر رعب الفاظ ہین لیکن معانی مین بہت کم ربط ہے ... سے کیا نسبت ہے؟ زمزمۂ نطق سے بلاغت کا صلہ مانگنے کے کیا معنی؟ بیان کی بے کو تسخیر سے کیا خاص تعلق ہے؟ اسی طرح سخن کے سین کو قاف سے قاف تک عمل کرنے کے لئے کیا خصوصیت ہے ۵

بولا علم خامہ فلک پر مین گڑون گا
سکے نے ندا دی زر انجم پہ پڑون گا
معنی نے کہا بیت مین آئینہ جڑون گا
مضمون پکارا مین کسی سے نہ لڑون گا

بندش یہ کھلی دم مین فصاحت کا بھرونگی
چلائی طبیعت کہ مین اصلاح کرونگی

پہلے دو مصرعے کسقدر وہم و وہام کے ہین، تیسرے مین تنزل شروع ہوا، چوتھا بالکل گر گیا کیونکہ اوپر کے مصرعون کی مناسبت کے لحاظ سے موقع یہ تھا کہ اسمین بھی کوئی ایجابی دعوی کیا جاتا ۔ مضمون کا نہ لڑنا اگرچہ معنی تعریف کی بات ہے لیکن یہان لڑائی سے گریز کرنے کا موقع نہین، اخیر کا شعر اور خصوصاً اسکا دوسرا مصرع کسقدر بھس پھسا اور مبتذل ہے طبیعت کے چلانے کا کیا موقع ہے اور طبیعت کے لئے چلانا کتنا ناموزون لفظ ہے ۵

مین کون ہون صاحب علم کلک جہانگیر
نوبت زن بزم بام عروج فلک پیر
تاج سر لفظ و سخن و معنی و تحریر
خاک قدم محتشم و قنبل شبیر

سُنکر کرے ہان تو شکایت بھی نہین ہے

انصاف تو کہتا ہے خداوند یون ہی ہے

پہلے تین مصرعون کا جو انداز ہے، چوتھا مصرع اس سے کسقدر بیگانہ ہے، ؎

مضمون مین نئی کرتا ہون ایجاد ہمیشہ
کہنے مین ہے تاثیر خداداد ہمیشہ

کہتا ہے سخن حضرت استاد ہمیشہ
بھولے سے بتادون تو رہے یاد ہمیشہ

بے لطف خدا یہ ہمہ دانی نہین آتی
پر شمع صفت چرب زبانی نہین آتی

جو چیز خداداد ہے اُسکے لیے ہمیشہ کی قید حشو محض ہے، چوتھا مصرع، تیسرے مصرع سے بالکل بے تعلق ہے، استادی کا ذکر دوسرے مصرع مین ہے، اور اُس کے ساتھ اس مصرع کو ربط ہوسکتا ہے، ٹیپ کے دو مصرع بھی باہم بالکل بے تعلق ہین -

تین چار بند کے بعد فرماتے ہین ؎

مضمون تر و تازہ ہے جیتی ہین یگانا
اس دھیان کے آنے سے کرم شاہ کا جانا

ملبوس قلم کا نہ دون ہے نہ پرانا
خدام ولاہو سے کہان ہاتھ بڑہانا

لے ہدیۂ تائید قدیر ازلی سے
لے خلعت تحسین حسینؑ ابن علیؑ سے

پہلے اور دوسرے شعر کی ترکیب اور انداز مین باہم کسقدر تفاوت ہے، دوسرا شعر پہلے شعر سے بالکل الگ ہوگیا ہے، دوسرے شعر کی بندش ایسی ہے کہ مطلب بھی آسانی سے سمجھ مین نہین آتا -

اس دھیان کا مشار الیہ کون ہے ؎

حامی جو سلیمان دو عالم نظر آئے
طاؤس تصور کی طرح دل مین در آئے

مضمون جو عنقا تھے وہ پر جوڑ کر آئے
شیشہ مین پری زاد معانی اُتر آئے

یاقوت بدخشان سے، دُرآتے ہین عدن سے
لعل اُگلون گا مین طائر سدرہ کے دہن سے

حضرت سلیمان کو عنقا سے کیا تعلق ہے، تصور کی تشبیہ طاؤس سے کس بنا پر ہے، اور پھر اس کے کیا معنی کہ عنقا ے مضمون دل مین اسطرح اُترآے جسطرح طاؤسِ تصور دل مین اُترآتا ہے، طاؤس دل مین نہین اُترتا، اور اگر تصور کے طاؤس ہونے کی بنا پر ہے تو مضمون کا عنقا خود دل مین اُتر سکتا ہے طاؤس کی مشابہت کی کیا ضرورت ہے، ٹیپ مین عجب بے ربطی ہے شاعر لعل اُگلے گا لیکن طائر سدرہ کے دہن سے اُگلنے کا اسکے کیا معنی؟ شاید اُگلنے کو اُگلوانے کے معنی مین لیا ہے، یا اپنے آپ کو طائر سدرہ قرار دیا ہے ؎

کب شعلۂ خس نور کی قندیل کو پہونچے
پشہ کا نہ غل صور سرافیل کو پہونچے
اُڑکر نہ مگس طنطنۂ فیل کو پہونچے
بلبل نہ لب و لہجۂ جبریل کو پہونچے

ارباب سخن پر جو سخن ور ہے ہمارا
القاب سخن سنج سخن ور ہے ہمارا

کسقدر بھدّے الفاظ اور بھدّی ترکیبین ہین - اسکے علاوہ بے ربطی کو دیکھو، شعلہ کا مقابلہ قندیل سے نہین بلکہ قندیل کی روشنی سے ہوسکتا ہے، پرواز کو طنطنہ سے کیا نسبت ہے؟ بلبل کو جبریل سے کیا مناسبت ہے، لقب کے بجاے القاب باندھا ہے ؎

سرکار ہے ہر مجلس تسخیر ہماری
آئینہ سکندر پہ ہے تسخیر ہماری
مضمون کی طرح بیت ہے جاگیر ہماری
ہے مُہر سلیمان کی تحریر ہماری

تنہا مہ و ماہی پہ نہین سکّہ پڑا ہے
سورج کا نگینہ بھی انگوٹھی پہ جڑا ہے

بیت کا درجہ مضمون سے کم ہے، کیونکہ بیت کی جو خوبی ہے مضمون ہی کی وجہ سے ہے اس بنا پر یہ تشبیہ کہ مضمون کی طرح بیت ہماری جاگیر ہے، بے معنی ہے، جب مضمون جاگیر ہو چکا تو بیت خود ہی جاگیر ہو گئی، ٹیپ کا اخیر مصرع بالکل بے معنی ہے، پہلے انگوٹھی سے کسی چیز کا استعارہ کرنا تھا پھر سورج کا نگینہ جڑنا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ ہات میں پہننے کی انگوٹھی پر سورج کا نگینہ جڑنا کس قدر لغویات ہے، ۵

قابل میں سخن کے ہوں سخن ہے مرے قابل رضوان کو جنت یہ چمن ہے مرے قابل	لیکن سخن شہرہ فگن ہے مرے قابل موتی کو صدف اور یہ عدن ہے مرے قابل

شہرہ ہے یہ تا یدشہ جن و ملک سے
مضمون مرا گھر پوچھتے آتے ہیں فلک سے

سخنِ شہرہ فگن نئی ترکیب ہے؛ ع رضوان کو جنت، یہ چمن ہے مرے قابل، ناموزون ترکیب ہے یا تو یون ہونا چاہیئے تھا کہ رضوان کو جنت چاہیئے، اور مجھکو یہ چمن، یا یون کہنا تھا کہ رضوان کے قابل جنت ہے، اور میرے قابل یہ چمن، چوتھے مصرع کی ترکیب کا بھی یہی حال ہے ٹیپ کے دونون مصرع قریباً باہم متناقض ہین، شہرہ بھی انتہا کا ہے اور مضمون کو گھر پوچھنے کی بھی ضرورت ہے، شاید یہ مراد ہو کہ صرف نام مشہور ہو چکا ہے لیکن چونکہ مضامین کو کبھی مرزا صاحب سے روشناسی نہین ہوئی اور آستانۂ مبارک تک پہونچنے کی نوبت نہین آئی، اس لئے گھر کا پتہ پوچھنا پڑا ۵

ہین وقف ہمیشہ مرے الفاظ و معانی ہر سطر مین ہے بحر طبیعت کی روانی	ہان قلزم شیرین کا سبھی پیتے ہین پانی ہے زور سخن شور یہ موجون کی زبانی

قطرہ سے مگر بحث مین، مین صرف نہین ہون
دریا ہون سخن کا مین تنک ظرف نہین ہون

تیسرے مصرع کا مطلب مشکل سے سمجھ مین آسکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ زور سخن شور پر ہے لیکن اس بات کو مین نہین کہتا بلکہ موج کی زبان کہتی ہے، بحث مین صرف ہونا کونسا محاورہ ہے، ٹیپ کے دوسرے مصرع مین "مین" کا لفظ محض فضول ہے، پہلے مصرع مین "مین" کا لفظ آچکا ہے، ٥

خامہ ہے فروتن مرا افراط ادب سے نخوت کے معانی ہین الگ لفظون کی لب سے	جھک کرشرفا اور بجا لاتے ہین سب سے جس طرح سے بد اصل جدا نیک نسب سے

دشمن سے بھی ہم قطع نہین کرتے حیا کو
مانند غبار اُٹھتے ہین تعظیم ہوا کو

پہلے مصرع مین انکساری اور خاکساری کے بجائے ادب کہا ہے، حالانکہ دونون مین بہت فرق ہے، تیسرے مصرع کی ترکیب اور لفظ کے لب کا استعارہ سابق ولاحق کی سادگی وصفائی سے نہایت بیگانہ ہے، ٥

شیرین سخنی کا ہنر اکبر سے لیا ہے	اس ذرہ مین سب مہر حسینیؑ کی ضیا ہے

ہمسری افلاک سے گو خاک بسر ہون
ہان عیب بڑا یہ ہے کہ مین اہل ہنر ہون

گو خاک بسر ہون کا جواب، ہان عیب بڑا یہ ہے کسقدر بے جوڑ ہے "مین" کا لفظ بالکل حشو ہے،

مرزا صاحب کا ایک اور نہایت مشہور مرثیہ ہے ٥

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے	رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے خود عرش خداوند زمن کانپ رہا ہے

شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہین سمیٹے ہوے پر کو

ہیبت سے ہین نہ قلعۂ افلاک کے در بند
وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمر بند
جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
سیارے ہین غلطان صفت طائر پر بند

انگشت عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجہ سے علم چھوٹ پڑا ہے

یہ دونون بند اپنے انداز مین پورے ہین، اب تیسرا بند ملاحظہ ہو ۵

خود فتنہ و شر پڑھ رہے ہین فاتحۂ خیر
جان غیر۔ بدن غیر۔ مکین غیر۔ مکان غیر
کہتے ہین انا العبد لرز کر صنم دیر
سنّے چرخ کا ہے چرخ نہ سیارون کی ہی سیر

سکتہ مین فلک خوف سے مانند زمین ہے
جز بخت یزید اب کوئی گردش مین نہین ہے

انا العبد کسقدر سلاست کے خلاف ہے، یہ مصرع ع جان غیر۔ بدن غیر۔ مکین غیر۔ مکان غیر
اس بند مین کسقدر بیگانہ واقع ہوا ہے ۵

بیہوش ہے بجلی پہ سمند انکا ہے شیدا
پوشیدہ ہے خورشید علم انکا نمودا
خوابیدہ ہین سب طالع عباس ع ہے بیدا
بے نور ہے مُنہ چاند کا رخ انکا ضیا با

سب جزو ہین۔کل رتبہ مین کہلاتے ہین عباس ع
کونین پیادہ ہے سوار آتے ہین عباس ع

یہ بند اوپر کے بند سے دفعۃً اس قدر بے تعلق ہو گیا ہے کہ مطلب سمجھنا مشکل ہے، اُن ہا کا مشارٌ الیہ حضرت عباس ع ہین، لیکن چونکہ حضرت عباس ع کا ذکر صرف پہلے بندون مین آیا تھا جس سے تین بندون کا فاصلہ ہے، اس لئے ذہن اسطرف جلدی منتقل نہین ہوتا، مضمون کی بے ربطی کی یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف تو ہل چل کی وجہ سے بجلی کو بیہوش قرار دیا ہے، دوسری طرف فرماتے ہین

کہ سب خوابیدہ ہین، ٹیپ کی بندش کی سستی خود ظاہر ہے ؎

چمکا کے مہ و خور زر و نقرہ کے عصا کو
سرکاتے ہین پیر فلک پشت دوتا کو
عدل آگے بڑھا۔ حکم یہ دیتا ہے قضا کو
ہان باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے بغض و حسد و کذب و ریا کا
سر کاٹ لے حرص و طمع و مکر و دغا کا

ان استعارات مین جو لطافت ہے وہ ظاہر ہے۔

ہم مناسب سمجھتے ہین کہ ایک مشہور اور معرکہ کے مرثیہ کے متعدد بند اس موقع پہ نقل کر دین جس سے مرزا صاحب کی طرز بندش کے تمام محاسن و معائب کا پورا اندازہ ہو سکے۔ یہ مرثیہ وہ ہے جس کو مرزا صاحب کے نامور معتقدین، اکثر مجالس مین بڑے فخر کے ساتھ پڑھتے ہین ؎

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی
پانی ہے کس پھریرے سے ہمت سحاب کی
یہ شان ہے نشان رسالت مآب کی
چوب علم کلید ہے جنت کے باب کی
نقشہ علم کے پنجے مین اللہ کا ملا
بندون کو اس نشان سے نشان خدا ملا

صبح جہاد شاہ ثریا جناب ہے
فوج حسین ع بن کے ظفر ہمرکاب ہے
مشرق سے وان علم۔ علم آفتاب ہے
یان نور کا نشان علم بوتراب ہے
روشن علم سے آئینۂ مشرقین ہے
مشرق مین شمس، عکس نشان حسین ہے

طوبیٰ کی شاخ تیشۂ قدرت نے کی قلم
اور نور نخل طور بھرا اسمین یک قلم

کی صادقون کی راستی قول امین ضم
بے پردہ ہو کے عضو نبی پوشش علم

جب باندھ کر پھریرے کو سیدھا علم کیا
صناع نے پردہ مین یدِ طولیٰ علم کیا

دامن ہے کبریا کا سراپردۂ جلال
بکھرا ہوا ہے شیر پھریرے کا بے جدال
ماہی مراتب اس سے ہے شاہون کا پائمال
شیرِ فلک کو دیکھ کے ہوتا ہے لال لال

تسخیر غرب و شرق اسے کیا محال ہے
پنجہ ہے آفتاب تو ناخن ہلال ہے

نورِ خدا سے قالبِ خیر الامم بنا
وان ابر چترِ فرقِ نبیؐ برقدم بنا
سایہ نبیؐ کا ہو کے مجسم علم بنا
یان پوشش علم وہ سحابِ کرم بنا

سب کام بند ہون جو پھریرا نہ وا رہے
سچ ہے خدا کے فیض کا چشمہ کھلا رہے

اب رایت زبان سے علم کرون
مجلس مین ذکرِ شقۂ حالِ علم کرون
اور معنی بلند کا لشکر بہم کرون
رایت مین سلک نظم کے پرچم کو ضم کرون

مشتاقون کو زیارتِ رایت ضرور ہے
اس رایتِ نبیؐ کی درایت ضرور ہے

جب شاہ انبیا کو ہوئی خواہشِ علم
جاری ہوا یہ حکم خداوندِ محترم
آئی ندا فلک سے ابھی بھیجتے ہین ہم
ہان قدسیو! علم کی درستی کرو بہم

تیار میرے دوست کی خاطر نشان کرو
یعنی علم کی فکر سے خاطر نشان کرو

تعقید مرزا صاحب، کے کلام کی ایک خصوصیت تعقید ہی ہے، وہ جہان معنی آفرینی اور دقت پسندی پر زیادہ توجہ کرتے ہین کلام مین پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے وہ نہایت دقیق اور بلند مضامین پیدا کرتے ہین لیکن مناسب الفاظ ہات نہین آتے اس سے لئے مضمون ایک گورکھ دھندا ہوکر رہ جاتا ہے۔

تلوار کی تعریف۔

مدنگہ چشم نیام اوج پر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا

اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

وان شور تھا پیدا مہ نو سے مہ نو ہے
یان غل تھا جدا شمع سے یہ شمع کی لو ہے

آمد کی دہوم۔

خود ابر فلک گرد سواری مین گھرے ہین
یون کانپتے سرداروں کے منہ رنگ سے پھرے ہین

دریا مین عدو ڈوب کے دوزخ مین تر ہین
بت حرص کے طاق دل عاصی گرے ہین

رعشہ ہے فقط ہات نہین پانون نہین ہے
دہشت کے سبب دہوپ نہین چھانون نہین ہے

سراپا۔

معراج پیمبر کی تو روشن ہے حقیقت
اسرا ہے نبی کے لئے یہ کاسۂ نعمت

یان دیکھو تہ عرش جبین چشم کی زینت
ہم صحبت وہم کاسہ ہین معبود سے حضرت

اس کاسہ مین رتبہ ہے یہ پلکون کی ثنا کا
اک ہات نبی کا ہے اور اک ہات خدا کا

اب مومنون کو عالم بالا کی خبر دون
حل عقدۂ مدح سر اقدس کو بھی کر دون

گردون کو مین نسبت سر پرنور سے گردون
یہ عرش ہو اور عرش بنے رشک سے گردون

اک قامت احمدؐ ہے اسی فوق جہان پر
خورشید سے اک نیزہ سوا ہوگا سنان پر

تو غنچہ ہے گوش پسر سید خوشخو
اور حلقۂ گیسو کہ ہے اک نافۂ آہو
قرب ختن زلف سے پر نافے کی ہے بو
ہے کان کی نکہت سے رگ غنچہ ہر اک مو

نافہ کا شرف غنچہ کو کاکل نے دیا ہے
اور گوش کے نافہ کو یہان غنچہ کیا ہے

خط حسن کی خاطر ہے خزان کا خط فرمان
صرصر سے ہے ایمن یہ چراغ رخ تابان
یان حلقہ خط حسن کو ہے چشم نگہبان
عارض کو کیا خط نے چراغ تہ دامان

گلشن ہے غلط اور غلط ابر بہاری
رخ باغ بہاری ہے یہ خط ابر بہاری

ایک اور مرثیہ مین فرماتے ہین ؎

نام جبین ہے مشرق خورشید ہر امید
ہے صبح صادق اسکی گواہی سے روسپید
یان پھول سرو کو ملین پھل ہو نصیب بید
مہر قبول کے اثر سجدہ سے نوید

اکبرؑ نشان سجدہ جبین پر دکھاتے ہین
یا سرنوشت نیت اکبرؑ دکھاتے ہین

کیا شاہ بیت ابروے اکبرؑ کی ہو ثنا
بیت القصیدہ خم ابروے مصطفےٰؐ
یکتا مطالعہ مین ہے یہ مطلع رسا
کیا بیت بحث ان سے کرے ماہ نو بھلا

پیش نگہ یہ بیت ہے اٹھارہ سال سے

آتی ہے، بوے شیر وہان ہلال سے

تشبیہات واستعارات

مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات اور استعارات ہین، اس مین شبہہ نہین کہ وہ اپنی دقت آفرینی سے ایسے عجیب اور نادر تشبیہات اور استعارات پیدا کرتے ہین جنکی طرف شاید کبھی کسی کا خیال منتقل نہین ہوا ہو گا، لیکن اس زور مین وہ اکثر اس قدر بلند اُڑتے ہین کہ بالکل غایب ہو جاتے ہین مثلاً

شمشیر نے جل تھل جو بھرے قاف سے تا قاف
پریان ہوئین مرغابیان گرداب بنا قاف

چھپنے کیلیے خوف سے اس درجہ گھٹا قاف
جو پیچ ہین سیمرغ کی منقار کے تھا قاف

کیا جانے کدھر لے کے خزانہ وہ بہا تھا
قارون کو عذابِ ابدی ڈھونڈ رہا تھا

تیغ عباسؑ جو دامان زرہ مین تھی نہان
یا شبستان مین وہ خوابیدہ تھا مار دو زبان

چمکا وہ ہلال بروے یوسف کا کنوین سے
یا برق جدا ہو گئی بادل کے دھوین سے

مانند نگہ چشم نیام اوج پر آیا
اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا

خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا
یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

گرمی پہ شرر تیغ شررِ دم کے جو آئے
جوہر نے کنوین قعر جہنم کے جھکائے

تھی مرغ نگہ پردون مین پر اس نے جلائے
عنقا سے تصور کے کباب اسنے لگائے

ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کیے پھری
یونس کو جیسے بطن مین مچھلی لیے پھری

چہرہ سے بنی صفِ لشکر بھی دور کی
بت خانہ سے شباہت تمبر بھی دور کی

کاف شگاف بنکے درون جگر گئی
مانند سیم مرگ میان کمر گئی

لفظ ستمگر میں دینے کو زیر و زبر گئی
مانند پیش ہر جزو کل سے گزر گئی

رن کی صفوں کا خوف سے ستھراؤ ہو گیا
پانی ہوئے یہ زہرے کہ چھڑکاؤ ہو گیا

بینی جبین و لب سے حسینؑ خلیل ہے
سر پر ہے عرش زیر قدم سلسبیل ہے

بندھیں چھٹیں شرر کی، سقر کانپنے لگے
شعلے زبان نکال کے خود ہانپنے لگے

نیب تیغ سے خالی سبھوں کے قالب تھے
پیالہ ہائے فلک روحوں سے لبالب تھے

گیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو آبِ حسام
بنا خزانۂ قارون خزانۂ حمام

فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام
ہوا رطوبتِ اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بہ صد وفور گرا
گیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا

جوہر میں طرفہ ہیبت تیغ دلیر ہے
مچھلی کے جال میں یہ مگر کوئی شیر ہے

بادل کی طرح جوہر شمشیر جو چھائے
سایہ نے تڑپ کر وہیں رعد بجائے

چار آئینہ نے اور ہی صورت دکھائی ہے
پر آئینہ نہیں ہے سند ہم نے پائی ہے

زایل زرہ کی آنکھوں سے جو روشنائی ہے
آنکھوں نے چار چشمے کی عینک لگائی ہے

ڈر ڈر کے آبِ تیغ سے سب کوچ کر گئے
غصہ سے ہو کے چین بہ جبین کچھ ٹھہر گئے

پل بن گئے وہ چین جبین سر اُتر گئے
اک وار میں فرات سے پاران کے سر گئے

پر ذوالجناح صاف دہن سے نکل گیا
باروت تھا کہ اُڑ کے کنویں سے نکل گیا

تھا طوطی خط پشت لب لعل پر گویا
دیکھو کہ دہوان آتش یاقوت سے نکلا

تھا چاہ ذقن میں چہ نخشب کا تجلا
اس چاہ کی کشتی نے تو پانی بھی نہ مانگا

جلوے لب و دندان کے عجب پیش نظر تھے

دروازہ پہ یاقوت تھے اور گھر مین گہر تھے

حاشا نہین تجلی ماہ آسمان پر
مچھلی اُچھالتی ہے کلاہ آسمان پر

چشم ضیا فشان سے نمود چراغ ہے
پلکین نہ سمجھو الہ دود چراغ ہے

پیدا کمر سے کنہ جناب الہ ہے
یہ بال چشم ناف کا تار نگاہ ہے

پستلی ہے کوہ طور تجلی کبریا
سنتے تھے تل کی اوٹ پہاڑ اب نظر پڑا

جب تک یہ پلکین دست نگر مین نہ دین عصا
موسی کی بھی نگہ نہو اس چشم تک رسا

اک جلوہ دے یہ چشم جسے اپنے نور کا
وہ خاک کے بھی مول نہ لے سرمہ طور کا

سمجھنے لگا سلاح وغا بہر وہ پُر دغا
کی خود نے خود نمائی سے زیب سر جفا

یا ماہ آفتاب کو گویا گہن لگا
یا وار قدر یہ کفر کا بخت سپر چڑا

اسلام مین جو ڈالے ہین رخنے یزید نے
ان رخنون کو کیا زرہ تن پلید نے

پانؤن مین پہنے موزہ گمراہی جہان
کج فہمی معاویہ کی اُس نے لی کمان

اور تیغ ہند ہند جگر خوارہ کی زبان
فرد سپر تھی نامہ اعمال شامیان

چار آئینہ وہ زنگ بھرا اس پلید کا
دل شمر و شیث وابن زیاد و یزید کا

مضمون بندی وخیال آفرینی

میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی مابہ الامتیاز جو چیز ہے وہ خیال بندی اور دقت پسندی ہے، اور یہی چیز مرزا صاحب کے تاج کمال کا طرہ ہے، اسمین کچھہ شبہہ نہین کہ مرزا صاحب کی قوت متخیلہ نہایت زبردست ہے، وہ اس قدر دور کے استعارات اور

تشبیہات ڈھونڈھ کر پیدا کرتے ہین کہ وہان تک اُن کے حریفون کا طایرِ وہم پرواز نہین کرسکتا۔ راست نما اور دلفریب (لیکن غلط) استدلال جو شاعری کا ایک جزوِ اعظم ہے اُنکے ہان نہایت کثرت سے پایا جاتا ہے، وہ قوت متخیلہ کے زور سے نئے نئے اور عجیب دعوے کرتے ہین، اور خیالی استدلال سے ثابت کرتے ہین۔ مبالغہ کے مضامین جو پہلے شعرا باندھ چکے تھے اور یہ ظاہر نظر آتا تھا کہ اب اس کی حد ہو چکی، ان کو وہ اس قدر ترقی دیتے ہین کہ پہلے مبالغے ان کے مقابلہ مین ہیچ ہو جاتے ہین،

مختصر یہ کہ خیال آفرینی، دقت پسندی۔ جدت استعارات۔ اختراعِ تشبیہات۔ شاعرانہ استدلال شدت مبالغہ مین ان کا جواب نہین، لیکن اس زور کو وہ سنبھال نہین سکتے، اس وجہ سے کہین خامی پیدا ہو جاتی ہے، کہین تعقید اور اغلاق ہو جاتا ہے، تشبیہات کہین پہیلیان بن جاتی ہین اور کہین محض فرضی خیال رہ جاتی ہین۔ تاہم اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ جہان ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے معیار پر بھی پورا اُتر جاتا ہے نہایت بلند رتبہ ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر ہم اُنکے ہر قسم کے عمدہ مضمون آفرینی کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

جب[1] سرنگون ہوا علمِ کہکشانِ شب
تیرِ شہاب سے ہوئی خالی کمانِ شب

خورشید کے نشان نے مٹایا نشانِ شب
تانی نہ پھر شعاعِ قمر نے سنانِ شب

آئی جو صبح زیورِ جنگی سنوار کے
شب نے زرہ ستارون کی رکھدی اُتار کے

شمشیرِ مشرقی جو چڑھی چرخ پر شتاب
تھا اسکے گرم خنجرِ بیضا سے آفتاب

پھر تیغِ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
باقی رہا نہ چشمۂ نیلوفری مین آب

محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا

[1] اس کے مقابلہ مین میرانیس کی صبح دیکھو۔

باغ جہان مین پھول کھلا آفتاب کا

تھی جوشِ خون کے عارضہ مین مبتلا شفق
کھولی شفق کی صبح تو رنگِ اُفق تھا فق

فصّادِ صبح آیا لئے نشتر و طبق
گلرنگ تھا صحیفۂ گردون ورق ورق

خونِ شفق مین نسخ قضا نے قلم کیا
اور خط و خالِ روزِ شہادت رقم کیا

ایضاً

پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی
اور قطعِ زلفِ لیلیٰ زہرہ لقب ہوئی

پنہان درازیِ پرِ طاؤسِ شب ہوئی
مجنون صفت قبائے سحر چاک جب ہوئی

فکر رفو تھی چرخ ہنرمند کے لئے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لئے

یوسف غریقِ چاہِ سیہ ناگہان ہوا
یونس دہانِ ماہیِ شب سے عیان ہوا

یعنی غروبِ ماہِ تجلی نشان ہوا
یعنی طلوعِ نیرِ مشرق ستان ہوا

فرعونِ شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور یدِ بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا کہ چرخ کا جیب دریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشکِ چکیدہ تھا

یا چہرۂ مسیح کا رنگِ پریدہ تھا
یا فاطمہؑ کا نالۂ گردون رسیدہ تھا

کہئے نہ مہر صبح کے سینہ پہ داغ تھا
امید اہلِ بیت کا گھر بے چراغ تھا

نکلا اُفق سے عابدِ روشن ضمیر صبح
محرابِ آسمان ہوئی جلوہ پذیر صبح

کھولا سپیدی نے جو مصلا ے پیر صبح — ہر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح

کرتی تھی شب غروب کا سجدہ ودود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہان جہان تھی وہان نور ہو گیا — پھر مشک شب جہان سے کافور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئنہ سے دور ہو گیا — باطل رسالۂ شب دیجور ہو گیا

کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے مین
مضمون تھا آفتاب کا ذرون کے نامے مین

ایضاً

گلگونۂ شفق جو ملا حور صبح نے — اسپند مشک شب کو کیا نور صبح نے
گرمی دکھائی روشنی طور صبح نے — ٹھنڈے سے چراغ کر دیے کافور صبح نے

لیلاے شب کی رات کو دولت جو لُٹ گئی
افشان جبین سے مہر درخشان کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشان صبح — سلطان صبح نے کیا قصد اذان صبح
باندھا عمامہ نور کا پہنا کتان صبح — چرخ چہارمین پہ گیا خطبہ خوان صبح

مُنہ سب کے سوے قبلۂ اُمید ہو گئے
سرگرم سجدہ - عیسی و خورشید ہو گئے

آیا جو تیغ روز لئے شاہ نیمروز — ماہی شکار شیر سوار و جہان فروز
باندھے کمر مین خنجر بیضاے کینہ سوز — پھر دیو ہفت سر ہوا صید عقاب روز

مہتاب - لشکر شہ خاور مین گھس گیا

اترہ شعاع کا سر انجم پہ پھر گیا

بڑھ کر نقیب نور پکارا سحر سحر ‌ ذرّون مین نور مہر در آیا قمر قمر
فرمان نور بدر کو پہونچا بدر بدر ‌ لوٹا سحر نے معدن شبنم گہر گہر
برقع جو اُٹھ گیا تھا رخ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبح طمع نقاب کا

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا ‌ پیرون کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی جدا زمین پہ تڑپی اجل جدا ‌ خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ آب مصالحہ جسم وجان نہین
لو تیغ برق دم کا قدم درمیان نہین

ڈوبی سپر مین گر کے نئی چال ڈھال سے ‌ پا گھر کے بیچ مین ۔ یہ بڑھی سیدھی چال سے
اُٹھ کر زرہ مین آئی شکوہ و جلال سے ‌ اک جال مین تڑپ کے گئی ایک جال سے
گذری جو چار آئینہ سے منہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

کاٹا پلک مین آنکھ کو پتلی مین نور کو ‌ پاؤن مین کجروی کو سرون مین غرور کو
سینہ مین بغض و کینہ کو دل مین فتور کو ‌ نیت مین معصیت کو طبیعت مین زور کو
ذات اک طرف، مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زبان ۔ زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو

سب کے گلون سے ملتی تھی لیکن رکی ہوئی ‌ جوہر یہ تھا کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی
ظرف تنگ مین تھی نہ جگہ اسکی آب کی ‌ ولہ ‌ بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

دریای خون تہا تیغ سبک رَو کی ناؤ پر
پریون روان تھی جیسے کہ کشتی بہاؤ پر

ولہ

اللہ ری سشناور شمشیر آبدار
دکھلا دئے صفای کے سب ہات ایک بار
تیرا وہ جو سے زخم مین گرد وار۔ گاہ پار
جوہر کا ایک بال بھی ڈوبا نہ زینہار
اک وجد حُر کو بھی یہ صفا دیکھہ کر ہوا
ہاٹ اک طرف نہ تیغ کا ناخن بھی تر ہوا

جس مورچہ مین لیلی تیغ دو سر گئی
سچنگے بھلون کو سایہ سے دیوانہ کر گئی
ہر صف نے خاک اُڑای۔ ادہر سے اُدہر گئی
بچھر یہ نہا نہا کے لہو مین۔ نکھر گئی
عالم نہ پوچھو قطرہ فشانی کے حسن کا
جوبن ٹپک رہا تہا جوانی کے حسن کا

آگے کبھی بڑہی۔ کبھی پیچھے کو پھر پڑہی
سر پر جو لڑ کھڑای تو شانے پہ گر پڑہی

ولہ

اُٹھی۔ گرہی۔ بلند ہوی۔ پست ہو گئی
پی پی کے میکشون کا لہو مست ہو گئی

ولہ

نیزے تنے تو اسنے کہا دیکھے بھالے ہین
بچھی نہ خنجرون سے کہ گودی کے پالے ہین
برسے جو تیر سمجھی کمانون کے تالے ہین
چمکے جو گرزہ۔ بولی یہ مُنہ کے نوالے ہین
ننگ اپنا جان کر نہ کسی سے بگڑتی تھی
ہر چہ کے آپ اپنی طبیعت سے لڑتی تھی

ہیجم معرکہ مین وہ خارا شگاف تھی
لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک و صاف تھی

ولہ

قبضہ تو رہا دست جناب شہ دین مین
پھل جا کے لگا شاخ سر گاو زمین مین

ولہ

اس قہر مجسم پہ اجل نے جو نظر کی
مجرا تو فقط کر لیا اور پیچھے کو سر کی
غصہ سے چڑہی بھون جو اُدہر تیغ دو سر کی
پھرنے لگی پتلی سپر فوج عمر کی

باقی تھا نہ دم، خوف سے تیغیں یہ گھٹی تھیں
تیغیں نہ کہو، نبضیں نیاموں کی چھٹی تھیں

خود رفتہ تھا ہر تیر یہ رفتار بھی تھی	ولہ	انگڑائی کا لینا بھی کمان بھول گئی تھی
تھی راست گو وہ تیغ - یہ روشن جہان پہ تھا	ولہ	جتنا لہو پیا تھا وہ جاری زبان پہ تھا
کٹتے تھے سر نہ تیغ امام عراق سے	ولہ	بت گر رہے تھے خاک پہ کعبہ کے طاق سے
سر کو نہ وصل تیغ سے اصلا دریغ تھا	ولہ	کیا سب کی سرنوشت مین مصراع تیغ تھا
رک رک کے قدم رکھتی تھی ہر سر پہ ادب سے	ولہ	جھک جھک کے مثال شتر غالتی تھی سب سے
جوہر کے نگہبانون کو بیدار جو پایا	ولہ	زخمون نے بھی اس تیغ کا پانی نہ چرایا
ہوتی تھین صفین آب دم تیغ سے بیدم حل کرتی تھی ہر مسئلہ تیغ شہ عالم	ولہ	پانی جو کھڑے ہو کے پیو ہوتا ہے سن کم ہے خون نجس، اسمین یہ آلودہ تھی ہر دم

پر اس پہ نجاست کا گمان ہو نہیں سکتا
یعنی کہ نجس آب رواں ہو نہیں سکتا

اللہ رے دماغ اسکا کسی سر پہ نہ بیٹھی
سر ایک طرف گنبد مغفر پہ نہ بیٹھی
بالاے سپر پھولون کے بستر پہ نہ بیٹھی

یہ بیٹھنا کب تھا، اِدھر آئی اُدھر آئی
جس سر پہ رکھا پاؤن زمین پر اُتر آئی

اسی طرح گھوڑے کی سرعت، فوج کی ہل چل، آمد کی دھوم، وغیرہ وغیرہ مضامین مین سیکڑون ہزارون نئی تشبیہیں، استعارات، اور باریکیان پیدا کی ہین - ہمنے اس خیال سے صرف نمونہ پر اکتفا کیا کہ جو شخص ایک تلوار کے متعلق اسقدر بے شمار مضامین کا مینہ برسا سکتا ہے اسکی قوت مُتخیلہ کی کیا حد ہو سکتی ہے -

بلاغت

یہ وہ چیز ہے جہان انیس، اور دبیر کی شاعری کی سرحدین، بالکل الگ ہو جاتی ہین، مرزا صاحب کی شاعری مین، بالفرض گو اور تمام اوصاف پائے جاتے ہون، لیکن بلاغت کا تو شایبہ نہین پایا جاتا۔ تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ ہر چیز کی بلاغت الگ ہے۔ مضمون کی الگ، قصّہ کی الگ، قصیدہ کی الگ، شعر کی الگ، لیکن مرزا صاحب کے کسی قسم کے کلام مین یہ وصف پایا نہین جاتا۔ وہ اگر کسی واقعہ کا خاکہ تیار کرتے ہین تو اس قسم کی باتین بیان کرتے ہین جو خود شہادت دیتی ہین کہ واقعہ وجود مین نہین آسکتا تھا نوحہ وغم۔ فخر و ادعا۔ طنز و تشنیع۔ ہجو و بدگوئی۔ سوال وجواب، گلہ و شکایت، غرض کسی مضمون کو وہ مقتضائے حال کے موافق نہین لکھہ سکتے۔

ہم چند مثالین، نمونہ کے طور پر لکھتے ہین۔

مثال ۱۔ ایک مرثیہ مین حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر، حضرت شہر بانو کا جو نوحہ لکھا ہے اسمین لکھتے ہین ؎

تم جانو جہان سے شہ عالی کو سے آو	اکبر سے مین گذری میرے والی کو سے آو

"تم جانو جہان سے" اس محاورہ کے ابتذال سے قطع نظر کرکے یہ امر کسقدر خلاف مقتضائے حال ہے کہ کوئی شریف عورت یہ کہے کہ مین اپنے بیٹے سے درگذری، میرے شوہر کو جہان سے ممکن ہو پیدا کرو۔

مثال ۲	ناگہان بالی سکینہ نے مچلکر یہ کہا	میرے کرتے کا گریبان بھی کرو چاک چچا
	خوب ملبوس یہ ہے پہنین گے ہم بھی ایسا	روٹھہ جاؤنگی نہ مانوگے جو میرا کہنا
	آپ جب خیمہ مین آئینگے تو چھپ جاؤنگی	

پھر مجھے گود میں لوگے تو نہ میں آؤں گی

روتے ہادان کی تقریر پہ عباسؑ گمال
بے پدر ہوگی کوئی آن میں یہ نیک خصال

اور کہا دل سے کہ اسکا بھی کرو رد نہ سوال
چاک اسکا بھی گریبان کیا با حزن و ملال

پیار جو آگیا بنت شہ دین کے اوپر
بوسے دیدیے کف ملی خاک جبین کے اوپر

واقعہ یہ باندھا ہے کہ حضرت عباسؑ، جب میدان میں جانے لگے تو اپنے بیٹے کا گریبان چاک کردیا کہ یتیمی کی علامت ہے، یہ دیکھکر سکینہؑ (حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی) نے کہا کہ میرے کرتہ کا گریبان بھی چاک کردو، مجھکو بھی یہ وضع اچھی معلوم ہوتی ہے، حضرت عباسؑ نے اس خیال سے کہ آخر حضرت امام حسینؑ بھی کچھ دیر میں شہید ہونگے، اور حضرت سکینہؑ بھی یتیم ہوجائینگی، اس لیے انکا گریبان بھی چاک کردیا۔ حضرت عباسؑ کو، امام علیہ السلام سے جو شیفتہ محبت تھی اور جسکا اظہار ہر جگہ مرزا صاحب نے بھی کیا ہے اسکے لحاظ سے یہ امر نہایت خلاف عقل اور خلاف عادت ہے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو قبل از وقت شہید فرض کرلیں، اور اس بنا پر انکے بچہ کو یتیم فرض کرکے اسکا گریبان چاک کردیں ۵

مثال ۱۳

یہ کہتی تھی کہ آئی قرین بنت مرتضےٰؑ
زینبؑ پکاری بیٹھو ادب سے ہو چکا

تسلیم کرکے بانو نے سر کو جھکا لیا
جسکی نہ بات پوچھیے تعظیم اُس کی کیا

سب جانتے ہیں بنت جناب امیرؑ ہوں
گھر میں تمہارے رہتی ہوں اس سے حقیر ہوں

حضرت زینبؑ کو اس بات کی شکایت ہے کہ علی اکبرؑ کو شہر بانو نے میری بغیر اطلاع کے لڑائی میں جانے کی کیوں اجازت دی۔ اس بنا پر وہ حضرت شہر بانو سے کہتی ہیں کہ جب میری بات نہیں پوچھی جاتی تو تعظیم سے کیا فائدہ۔

لیکن اس مقصد کے اظہار کے لئے مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ کسقدر سفیہانہ اور عامیانہ ہے، یہ خیال کہ چونکہ مین اپنا گھر چھوڑکر تمہارے گھر مین رہتی ہون اسلئے تم لوگ مجھکو حقیر سمجھتے ہو، نہایت پست اور مبتذل خیال ہے جو ہرگز حضرت زینبؑ کی متانت اور وقار کے شایان نہین -

مثال ۴ - محبوب ہون خدا سے ذوی الاحترام کا | نانا ہون مین حسین علیہ السلام کا

یہ شعر جناب رسولؐ خدا کی زبان سے ادا کیا ہے لیکن مرزا صاحب کو یہ خیال نہین رہا کہ کیا آنحضرتؐ بھی امام حسین علیہ السلام کا نام علیہ السلام کہہ کر لیتے تھے،

مثال ۵ - یہ بات سنکے بنتِ نبی نے گھونگٹ الٹ لیا | عباسؑ کو، حسینؑ کو، اکبرؑ کو دی صدا
صدقہ مین تم یہان سے سرک جاؤ اک ذرا | تم سب کے آگے روتے ہوئے آئیگی حیا

ماتم کا ہے ہجوم دلِ پاش پاش پر
جی بھر کے رو لے بنتِ قاسمؑ کی لاش پر

سرکے وہان سے اکبرؑ و عباسؑ و شاہ دین | لاشے کے گرد پھرنے لگی وہ دلہن حزین
زینبؑ سے پوچھنے یہ لگی پھر وہ مہ جبین | اب اختیار دل پہ مرے مطلقاً نہین

نوشاہ ایک رات کے جو قتل ہوتے ہین
تبلاؤ اے پھوپھی! انہین کیا کہکے روتے ہین

یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مرزا صاحب، اور دیگر تمام مرثیہ گویون نے اہل حرم کی عادات اور مراسم، ہندوستان کے شرفا کی مستورات کے مطابق فرض کئے ہین، چنانچہ عروسی - شادی - اور میت کے متعلق جس قسم کے مراسم وعادات یہان ہین وہی تمام مرثیون مین مذکور ہین - اس بنا پر حضرت کبریٰؑ کا اپنے باپ، چچا - اور بھائی سے یہ کہنا کہ تم لوگ یہان سے سرک جاؤ - مین اپنے شوہر پر نوحہ کرنا چاہتی ہون - کسقدر بے حجابی اور بے شرمی ہے - طرہ یہ کہ یہ بھی کہتی ہین کہ تم سب کے آگے روتے ہوئے شرم آئیگی

لیکن یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئی۔ مرزا صاحب نے اسی واقعہ کو، ایک اور مرثیہ میں لکھا ہے اور وہاں تو حد کر دی ہے، فرماتے ہیں ؎

ناگاہ شہ نے لاش اٹھائی بہ صد بکا — کبریٰ نے بات باندھ کے تب شاہ سے کہا
ہم کچھ کہیں جو مانئے اے شاہ کربلا — احسان ہوگا لاش کو رکھ دیجئے ذرا

بالیں پہ پیٹیں سر پہ ذرا خاک ڈال لیں
ہم بھی کچھ اپنے دل کی تمنا نکال لیں

میر انیس نے اسی واقعہ کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

روکر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر — اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی لٹے گی یوں، ہمیں اسکی نہ تھی خبر — اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہ کو اک نظر

زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی، چچا کا پسر بھی ہے

اس بلاغت کو دیکھو کہ چونکہ حضرت امام حسینؑ کا بہی یہ کہنا کہ اب شرم کیا ہے، دولہ کو دیکھ لے ایک گونہ رسمی حیا کے خلاف تھا اس لئے ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا کرئے کہ وہ برائے نام دولہا ہے ورنہ چچا کا بیٹا، اور بھائی ہے ؎

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشم اشکبار — بیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوے دلفگار
چادر سپید اوڑھا کے دلہن کو بحال زار — گودی میں لائی زینبؑ غمگین و سوگوار

چلائی ماں یہ گر کے تن پاش پاش پر
قاسم بنے اٹھو۔ دلہن آئی ہے لاش پر

ہے ہے بنے قاسم کا ہوا شور جو در پر — بانوؑ نے کہا لٹ گئی لوگو! میری دختر

فرزند کے لاشہ سے لپٹنے لگی مادر	سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر

پھر کون رہے بنت علیؑ جب نکل آئے
خیمہ مین دولہن رہ گئی، اور سب نکل آئے

مثال ۶ :

کہا سجادؑ سے کبریٰؑ نے یہ اس دم رو رو	بھائی صاحب میرے دولہ کو بھی بدفن کرو
تا مجاور ہین بنون کھول کے اپنے سر کو	کہا کبریٰؑ سے یہ سجاد حزین نے کہ چلو

ٹکڑے لاشون کے بہم بادل غمناک کرین
قاسم ابن حسنؑ کو بھی تہ خاک کرین

ایک رات کی بیاہی ہوئی عورت کا، اپنے بھائی سے یہ کہنا کہ میرے دولہ کو بھی دفن کرو، کسقدر خلاف عادت ہے۔

مثال ۷ - حضرت سکینہؑ، کو قیدخانہ مین غش آگیا ہے، ان کی مان حضرت شہربانوؑ کو خیال ہوا کہ مرگئین انہون نے نوحہ شروع کیا حضرت زینبؑ انکو سمجھاتی ہین - اس واقعہ کو مرزا صاحب اسطرح ادا کرتے ہین

زینبؑ نے رو کے، بانوئے مغموم سے کہا	بے آس ہو نہ بھابی، ہے غش ہین یہ لقا
اور مرگئی تو خیر جو اللہ کی رضا	اب اسکے رفع غش کی یہ سوقت ہے دوا

ہے عاشق حسینؑ یہ پیاری حسینؑ کی
اب غل کرو کہ آئی سواری حسینؑ کی

تسکین اور تسلی دینے مین یہ کہنا کہ "و خیر مرگئی تو کیا کروگی، جو اللہ کی رضا" کس قدر ناموزون ہے اور خلاف آدمیت ہے۔

یہان ہم نے اجمالاً صرف چند مثالین لکھدین اسکے بعد متحد المضمون مرثیون کا جو عنوان ہے اس سے تفصیلاً معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب بلاغت کی راہون سے کس قدر ناآشنا ہین۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے متحد المضمون مرثیے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کا صحیح تر اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دونوں صاحبوں کے ہم مضمون مرثیوں کا مقابلہ کیا جاسے، چونکہ مرثیہ کا موضوع، صرف چند معین واقعات ہیں اسلئے اگرچہ دونوں صاحبوں کا انداز شاعری بالکل الگ الگ ہے، تاہم واقعات، اور مضامین، میں ہر جگہ اشتراک پیدا ہوجاتا ہے، اسکے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ دونوں حریفوں نے اکثر مرثیے، اور بند، اور متفرق اشعار، ایک دوسرے کے مقابلہ میں لکھے ہیں، یہاں تک کہ بعض بعض بندوں میں مضمون، ردیف، اور قافیے تک مشترک ہیں، افسوس ہے کہ ان موقعوں پر یہ پتہ نہیں چل سکا کہ ابتدا کس نے کی، اور جواب کس نے لکھا، تاہم بعض بعض قراین سے (جیسا کہ ہم دیباچہ میں لکھہ آئے ہیں) ثابت ہوتا ہے کہ مرزا دبیر صاحب زیادہ تر مقابلہ کا قصد کرتے تھے، مثلاً ایک مرثیہ میں میر انیس نے فخریہ کے ساتھہ زمانہ کی ناقدری کی شکایت کی تھی، اس کے ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہیں ہے	اس عہد میں سب کچھہ ہے، پر انصاف نہیں ہے

اسی بحر میں مرزا دبیر صاحب کا بھی مرثیہ ہے، اس میں بھی فخریہ ہے، اور ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

دل صاف ہو، کس طرح کہ انصاف نہیں ہے	انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہیں ہے

دونوں شعروں کو دیکھہ کر، ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ کس نے کسکا جواب لکھا ہے،

میر انیس اکثر شعروں میں مرزا دبیر پر سرقہ اور خوشہ چینی کی چوٹ کرتے ہیں مثلاً ؎

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار	خبر کرو، میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

ع پیاسو! پیو سبیل ہے نذر حسین کی ؎

ممکن نہیں دزدانِ معانی سے نجات	سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل	اُٹھا چکے ہین زمیں سند ار جن زمینون کو
نو اسنجیون نے تری اے انیس	ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا

ع مضمونِ انیس کا نہ چربا اُترا

لیکن مرزا دبیر نے میر انیس پر کہین سرقہ کی تعریض نہین کی ہے بلکہ صرف اپنی برارت ظاہر کی ہے مثلاً

واللہ بری ہون سرقہ مضمون غیر سے	ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے
شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون

بہرحال کم سے کم ہمکو یہ فرض کر کے کہ دونون میں سے کوئی سرقہ کا مجرم نہین، صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ اس مضمون کو کس نے خوبی سے ادا کیا ہے، چنانچہ ہم دونون کے متحد المضمون مرثیے اور اشعار ذیل مین درج کرتے ہین

پردہ کا اہتمام

انیس

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار	روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
فراشون کو عباس پکارے یہ بہ تکرار	پردہ کی قناتون سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہین رسول دوسرا کے
شُقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکون سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے	آتا ہو ادہر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے	دیتے رہو آواز جہانتک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف انکو دیے ہین
افلاک پہ آنکھون کو ملک بند کیے ہین

دبیر

دربان عصا اُٹھا کے بڑہے جانب اسپاہ	دہنی طرف نقیب گئے باندہ کر قطار
آآ کے در پہ لونڈیان چلائین بار بار	آے ادہر شتاب نہ کوئی جاے ہوشیار

آواز غیر سُن کے وہ اندیشہ کرتی ہے
آہستہ بولو دختر زہراؑ اُترتی ہے

عفت کے جتنے مرتبے خیر النسا نے پائے ہاں ہاں مسافرو نہ کوئی غل مچانے پائے	وہ ماں کے بعد دختر مشکل کشا نے پائے ناقہ پہ بیٹھ کر نہ ادہر کوئی آنے پائے

حسن ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جائے جسکا کہ قامت بلند ہو

دونون بزرگون نے عورتون کے پردہ کے اہتمام کا سمان باندہا ہے لیکن میر صاحب نے اس مضمون کو اس فصاحت و بلاغت سے ادا کیا ہے اور اس طرح واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے کہ اسکے سامنے مرزا صاحب کے اشعار کا پیش کرنا بھی، میر صاحب کی ناقدردانی ہے، روانی، شستگی- خوبی محاورہ - چستی بندش، کے علاوہ بلاغت کے نکتون پر لحاظ کرو، میر صاحب نے پردہ کے اہتمام اور لوگون کے ہٹانے اور روکنے کو حضرت عباسؑ کی طرف منسوب کیا ہے جس سے حضرت زینبؑ کی عظمت و شان کے اظہار کے علاوہ، اصلی واقعہ کی مطابقت ہوتی ہے، کیونکہ تمام معزز خاندانون مین پردہ کا اہتمام خود خاندان کے ممبر کیا کرتے ہین بخلاف اسکے مرزا صاحب نے یہ کام بالکل دربانون، نقیبون، اور لونڈیون کے سپرد کردیا ہے، جس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو گھر مین کوئی مرد تھا ہی نہین، یا تھا تو اسکو عورتون کی چندان پروا نہ تھی، پردہ کے اہتمام مین نقیبون کا کیا کام ہے، لونڈیون کے غل مچانے سے ثابت ہوتا ہے کہ ادب و شایستگی نہین پائی جاتی،

ذیل کے دونون مصرعے بالکل ہم مضمون ہین لیکن دونون مین زمین و آسمان کا فرق ہے

انیس ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے،
دبیر ناقہ پہ بیٹھ کر نہ ادہر کوئی آنے پائے،

صغریٰ کی آزردگی

دبیر

صغرا نے کہا صاحبو کیا کرتے ہو گفتار	اک بات پکڑ لی کہ یہ بیمار ہے بیمار
شاید کہ سفر ہی میں شفا دے مجھے غفار	یاں کون خبر لے گا مری یہ در و دیوار

اتنی بھی تو طاقت نہیں جو اُٹھ کے کھڑی ہوں
اے لوگو! میں کیا آپ سے بیمار پڑی ہوں

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، تمام اہل حرم کو ساتھ لیے جاتے ہیں لیکن حضرت صغرا کو بیمار ہونے کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہیں، اس پر وہ گریہ وزاری کرتی ہیں حضرت امام حسینؑ، اور گھر کی عورتیں سمجھاتی ہیں کہ تم بیمار ہو، سفر کے مصائب برداشت نہیں کر سکتی ہو صغرا جواب دیتی ہیں اسی مضمون کو میر انیس صاحب ادا کرتے ہیں ؎

کیا خلق میں لوگو! کوئی ہوتا نہیں بیمار	ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مردہ کی طرح ہو گئی ہشیار	کیوں جاتے ہیں سب مجھ کو سمجھ کر گنہگار

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

مرزا صاحب نے بھی عمدگی سے اس واقعہ کو ادا کیا ہے لیکن میر صاحب کے طرز بیان میں جو حسرت پیچ اور بیکسی ہے وہ مرزا صاحب کے ہاں نہیں، "اک بات پکڑ لی"، عامیانہ اور سوقیانہ طرز گفتگو ہے، ٹیپ کے دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں، اور یہ کہنا کہ مجھکو اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں، صغرا کی خواہش پر ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے، کیونکہ جب اُٹھنے کی طاقت نہیں تو وہ سفر کیونکر کر سکتی ہیں،

اسی بنا پر میر انیس نے جہاں یہ واقعہ باندھا ہے، صغریٰؑ کی زبان سے یہ کہا ہے ؎

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت	تپ کی بھی ہے شدت میں کمی روز سے خفت

بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرتؑ — پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

دیکھو حضرت صغراؑ کس کس طرح سے بیماری کی تخفیف اور قریب الصحۃ ہونے کو ثابت کرتی ہین۔

اصغرؑ سے خطاب

دبیر

پردہ کو اُٹھا کر یہ کہا بانوؑ نے رو رو — صدقے گئی، فال ایسی تو مُنہ سے نہ نکالو
سب جیتے ہین بیکس نہ ابھی آپ کو سمجھو — شبیرؑ ہو - دینا ہو - ترا کنبہ ہو - تو ہو

کب مین نے کہا یہ نہین اصغرؑ ہے تمہارا
لو شوق سے دیکھو، یہ برادر ہے تمہارا

پھر ہاتون پہ اصغرؑ کو رکھا کر کے یہ زاری — لٹکا دیے ہات اُس نے ہمک کر گئی باری
مان نے کہا لو گود مین یہ آتے ہین واری — اصغرؑ کی طرف ہات اُٹھا کر وہ پکاری

پھر جیتی ملون یا نہ ملون تجھ سے بلا لون
آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون

صغراؑ کا رخصت کے وقت علی اصغرؑ کو حسرت اور پیار سے دیکھنا نہایت درد انگیز سمان ہے، اور اکثر مرثیون مین یہ سمان نہایت موثر طریقہ سے دکھایا جاتا ہے، لیکن مرزا صاحب ایسے درد انگیز واقعہ کو بھی تاثیر کا رنگ نہ دے سکے، دیکھو میر صاحب، اسی بات کو کس لہجہ سے ادا کرتے ہین ؎

مان بولی یہ کیا کہتی ہے صغراؑ ترے قربان — گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان — صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا

کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
وہ کانپتی ہاتون کو اُٹھا کر یہ پکاری

اصغر مرا روتا ہے صدا سُنکے تمھاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان سے گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی

تپ ہے تمہین چھاتی سے بھی لپٹا نہین سکتی
رکھہ لون تمہین امان کو بھی سمجھا نہین سکتی

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمہین طاقتِ گفتار نہین ہے

اس واقعہ کا نہایت دردانگیز پہلو صغرا کا خود اصغر سے مخاطب ہونا اور جوشِ محبت مین جبہ مینہ کے بچہ سے اپنا درد دل کہنا تھا، مرزا صاحب صرف یہ کہکر رہ گئے ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگاؤن' میر صاحب نے پورا درد دل کہا اور کس موثر طریقہ سے کہا۔ مرزا صاحب کا یہ مصرع ع اصغر کی طرف ہاتھہ اُٹھا کر وہ پکاری' میر صاحب کے اس مصرع کے جواب مین ہے ع وہ کانپتی ہاتون کو اُٹھا کر یہ پکاری' لیکن دونون مین کوئی نسبت نہین، میر صاحب کے ہان ہات کے ساتھہ کانپنے کی قید نے کسقدر بلاغت پیدا کردی ہے' - ذیل کے ان دونون مصرعون مین بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔

ع آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری'

ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون' "چھوٹا مسافر" مرزا صاحب کا ایجاد ہے

اعلیٰ و ادنیٰ کا مقابلہ

کچھہ خار مغیلان گل تر ہو نہین جاتا
قلعی سے کچھہ آئینہ قمر ہو نہین جاتا

ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہین جاتا ۔ مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہین جاتا

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہین کہتے
ہر بات کو عاقل ید بیضا نہین کہتے

میر انیس کا یہ مشہور بند ہے، مرزا صاحب نے اسکے جواب مین بڑی کوشش کی مختلف بحرین اختیار کین، بہت سی نئی نئی تشبیہین ڈہونڈہین لیکن وہ بات پیدا نہوسکی مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

احکام یزید اور ہین اور اپنے امور اور ۔ باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے، اور آتش طور اور ۔ زنبور کا غل اور ہے، الحان زبور اور

سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے ملک کیا
بت کیا ہے، خدا کیا ہے زمین کیا ہے، فلک کیا

سامان سے کوئی صاحب ایمان نہین ہوتا ۔ ہر اہل عصا موسیِ عمران نہین ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمانؑ نہین ہوتا ۔ آئینہ گر اسکندر دوران نہین ہوتا

لاکھہ اوج ہو پشہ کا ہما ہو نہین جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہین جاتا

یہ تشبیہات کافی نہ ہوئین تو ایک اور مرثیہ مین بہت سی تشبیہین جمع کین ؎

ہر سبز پوش خضر نہین عز و جاہ مین ۔ سر سبز حیدری ہین جناب الٰہ مین
یوسف نہ ہوگا لاکھہ گرے کوئی چاہ مین ۔ دن رات کا ہے فرق سفید و سیاہ مین

کوئی یتیم فاطمہؑ سا خوش گہر نہین +
ہر اک یتیم دریتیم اے عمر نہین +

چاہے زرہ بنا کے جو داؤدؑ کا وقار ۔ واللہ حیل ساز ہے کیا اسکا اعتبار

ہر نخچیہ گر نہ ہو کبھی ادریس نامدار	ہر ناخدا کو نوحؑ کہے گا نہ ہوشیار

کیا جاہلوں کے عیش کا سامان ہوگیا
بیٹھا جو تخت پر وہ سلیمان ہوگیا

حُر کا واقعہ۔ حُر پہلے یزید کی طرف تھا، لیکن خدا نے ہدایت دی، اور معرکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے، وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج مین چلا آیا، اُسکا آنا، معافی کا خواستگار ہونا، لڑنے کی اجازت طلب کرنا، زخمی ہوکر گرنا، امام علیہ السلام کا اُسکے پاس جانا، اُسکا انتقال کرنا، یہ واقعات اکثر مرثیون مین دونون نے لکھے ہین، لیکن ایک مرثیہ مین بحر اور اکثر قافیے تک مشترک ہین، ان دونون مرثیون کے مقابلہ کرنے سے، دونون حریفون کے مداج کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے ۵

مرزا دبیر	کہکے یہ گھوڑون پہ غازی ہوے دونون اسوار اور چلے شاہ کی جانب کو پڑھا کر ہوا	پہونچے نزدیک شہ دین تو بیکار اجزار بخشدے جرم شہنشاہ نجفؑ کے دلدار

روے الطاف کو ہم سے نہ پھرانا آقا
نہین اس در کے سوا کوئی ٹھکانا آقا

میر انیس	ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار الغیاث اے جگر و جان رسول مختار	مجرم ایسا ہون کہ عصیان کی نہین جسکے شمار عفو کر، عفو کر، اے چشمۂ فیض غفار

پار دریاے خطا سے مری کشتی ہوجاے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہوجاے

مرزا دبیر	واسطہ احمدؐ و زہراؑ و حسنؑ کا اے شاہ نذر سر لایا ہون، مقبول ہو اے عرش پناہ	بخشدو عفو کرو، بندۂ عاصی کا گناہ اور بتاؤ میرے بیٹے کو بھی فردوس کی راہ

حُر عوض آپ کے مقتول جفا ہووے گا

اور اکبرؑ سر پہ مرا لال فدا ہووے گا

میر انیس

کئی روز ون سے تلاطم مین ہون اے شاہنشاہ ٭ مدد اے نوحِ غریبان مرا بیڑا ہے تباہ

دست و پا گم ہین کچھ ایسے کہ نہین سوجھتی راہ ٭ شور کرتا ہون کہ تبلائے کوئی جائے پناہ

ابر رحمت کی طرف جائیے یہ صدا دیتے ہین

سب ترے دامن دولت کا پتہ دیتے ہین

دبیر

پیشوائی کو چلے حُر کے شہنشاہِ زمن ٭ ہات کھولے پسرِ عقدہ کشا نے فوراً

کانپ کر پائے مبارک پہ جھکا سر افگن ٭ سر اُٹھا کر کیا سرور نے یہ بھائی سے سخن

گو سر حُر پہ ہے خالق کے کرم کا سایا

آن کر تم بھی کرو اسپہ علم کا سایا

انیس

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم ٭ جوش مین آگیا اللہ کا دریائے کرم

خود بڑھے ہاتون کو پھیلا کے شہنشاہِ امم ٭ حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم

شکر کر سبطِ رسول الثقلین آتے ہین

اے برادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہین

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہین پیدل شبیرؑ ٭ دوڑ کر چوم لئے پائے شہِ عرش سریر

شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے با توقیر ٭ مین نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

مین رضامند ہون کس واسطے مضطر ہے تو

مجھکو عباسِؑ دلاور کے برابر ہے تو

دبیر

حُر نے فرزند پیمبر سے یہ اسوقت کہا ٭ سایہ دامن رایت تو ہے ظلِ طوبیٰ

آپ کی بندہ نوازی پہ فدا اے آقا ٭ رخ کیا جب سے ادہر کا یہ ہے الطافِ خدا

مرحبا فاطمۂ زہرا یہ مجھے فرماتی ہیں
سایہ چادر کا مرے سر پہ کیے آتی ہیں

انیس

حُر پکارا "بابی انت و امی" یا شاہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ
قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
سب ہے صدقہ انہیں قدموں کا خدا ہے آگاہ
مہر ذرّہ پہ جو ہو نیّر تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیمان ہو جائے

دبیر

عرض کی پھر شہِ والا سے بہ جوشِ رقّت
عفو تقصیر ہوئی - اب ہو عنایت رخصت
کرتے ہیں دشمنِ دیں جنگ پہ اس دم سبقت
دیکھنے کی نہیں بندے میں ذرا اب طاقت
گر رضا پائے تو سر اپنا کٹائے فدوی
زخم شمشیر و سناں سینہ پہ کھائے فدوی

انیس

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہماں کو امامؑ
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام
بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
عرض کی حُر نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی امنگ
لشکر شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ
ایک ہی وار میں دونوں کو کرونگا چورنگ
شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے یہ جنگ
کہیں ایسا نہ ہو یہ کوئی بیجان ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

دبیر

پسر حُر کے معرف علی اکبرؑ تھے کہ واہ
حُر کو دیتے تھے صدا شاہ کہ سبحان اللہ

دونوں تسلیم کنان صرف وغا تھے ذی جاہ
مژدہ گلشن جنت انہیں پہونچا ناگاہ

دونوں یک مرتبہ بیزار ہوئے جینے سے
نیزۂ ظلم وستم پار ہوئے سینے سے

انیس

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ نہے عزت و جاہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
کہتے تھے ابن حسن واہ حُر غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے سبحان اللہ

اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مُسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

دبیر

اس گھڑی فاطمہؑ کے لال سے حُر نے یہ کہا
آپ کے صدقہ سے یہ رتبہ ہوا خادم کا
شیر حق میرے سرہانے ہیں کھڑے ای مولا
جام کوثر لئے کہتے ہیں بصد لطف وعطا

لے اسے پی کہ بہت تشنہ دہن ہے اے حُر
جلد آ دیکھ یہ جنت کا چمن ہے اے حُر

ان سے میں عرض یہ کرتا ہوں کہ ای شاہ زمان
پسر فاطمہ پیاسا ہے مجھے پیاس کہاں
صبح سے جھولے میں بیہوش ہے اصغر نادان
تشنہ لب ہے کئی دن سے علی اکبر سا جوان

پیاسا ہوں، اسے پہ بھی پانی نہ پیوں گا مولا
جام کوثر نہ بن آقا کے پیوں گا مولا

انیس

نیم وا چشم سے حُر نے رخ مولا دیکھا
زیر سر زانوے شبیر کا تکیا دیکھا
مُسکرا کر [illegible] عالم بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُر جری کیا دیکھا

عرض کی حسن رخ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھکو لینے چلے آتے ہین فرشتے یا شاہ — ملک الموت بہی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیرِ خدا نکلے ہین اللہ اللہ — لو برآمد ہوے شبرؑ بھی پدر کے ہمراہ

سنگے سرِ احمدِ مختار کی پیاری آئی
دیکھیئے آپ کے نانا کی سواری آئی

دبیر

مڑکے عباسؑ دلاور کو پکارے سرور — روک لو تم کہ سکینہؑ چلی آتی ہے ادہر
گئے عباسؑ اُدہر یان ہُوا برپا محشر — حُر بھی فرزند بھی حُر کا ہوا گویا روکر

غش پہ غش تشنہ دہانی کے سبب آتے ہین
الفراق اب چمنِ خلد کو ہم جاتے ہین

انیس

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین — پڑھیئے یسٰین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین — لیجیئے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزین

بات بھی ابتو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھہ اُڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیرؑ کے لی انگڑائی — آیا ماتھے پہ عرق - چہرہ پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے کیون بھائی — چل بسے حُر حزیں پہر نہ کچھہ آواز آئی

طائرِ روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
تپلیان رہ گئین پہر کے شہِ والا کی طرف

میر انیس کے اشعار مین بلاغت کی جو باریکیان اور دقائق ہین، ان سے ہم اس موقع پر بحث نہین کرتے، یہان صرف یہ دکھانا ہے کہ حُسنِ بندش سے کلام مین کس قدر صفائی - برجستگی اور زور پیدا ہو جاتا ہے -

قیدخانہ کے واقعات — قیدخانہ کا حال، اور ہند کے آنے کا واقعہ دونوں نے لکھا ہے۔ اور ایک بحر مین لکھا ہے۔ میرانیس کا مطلع ہے **مصرع** جب قیدیون کو خانہ زندان مین شب ہوئی۔

اور مرزا صاحب کا مطلع ہی **مصرع** جب قیدیون کو راہ مین ماہ صفر ہوا۔

میرانیس نے تفصیلی حالات نہایت موثر پیرایہ مین لکھے ہین۔ مرزا صاحب کے ہان صرف ۳۶ بند ہین۔ لیکن بعض مضامین مشترک ہین۔ وہ ملاحظہ ہون ؏

دبیر

راوی نے حال خانۂ زندان یہ یون لکھا
آئی جو شب اسیرون کو صدمہ بڑا ہوا

وحشت مین مثل قبر، اور آفت مین کربلا
نہ فرش تھا نہ سایہ تھا۔ نہ پانی نہ غذا

شمعون کی روشنی نہ چراغون کی روشنی
بس ماتم حسینؑ کے داغون کی روشنی

انیس

کیجیے شکستگی خرابہ کا کیا بیان
وحشت اگاگھر ہراس کی جا خوف کا مکان

ثابت نہ جسمین سقف نہ دروا نہ سائبان
وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الامان

ظلمت سرائے گور تھی۔ نہ زندان کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گذر نہ تھا

دبیر

ناگاہ مشعلون کی ہوئی روشنی نمود
زینبؑ کے دل پہ صدمہ یہ ہون سے ہوا فزود

اور غل ہوا کہ ہند کا زندان مین ہے ورود
غربت سے کانپنے لگی وہ خاصۂ ودود

سر زانوون کے بیچ مین شرما کے دھر لیا
اور بیڑیون کو خاک مین پوشیدہ کر لیا

بچون سے پھر یہ بولی وہ آفت کی مبتلا
ناگاہ آئی قیدیون مین ہند باوفا

اب نام لیجیو نہ مرا تم یہ مین فدا
زنجیر پہنے دیکھ کے عابد کو دی ندا

بیداد اہل ظلم سے یارب دہائی ہے
اس ناتوان کو آہ یہ بیڑی پنہائی ہے

انیس

نکلی محل سرا سے یہ کہکر وہ خوش سیر
پہنچی جناب حضرت زینبؑ کو یہ خبر

تھین ساتھ ساتھ چند خواصین بھی نوحہ گر
رنگ اُڑ گیا یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر

اپنا نہین خیال، بزرگون کا پاس ہے
ہے ہے، کہان چھپون وہ مری روشناس ہے

ہے شرم کی جگہ کہ مین ہون خواہر امام
ہم ہین فقیر، ہم مین امیرون کا کیا ہے کام

غمگین و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
لوگو بتا نہ دیجو کہین اسکو میرا نام

پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینب کدہر گئی
کہدیجیو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

دبیر

زینبؑ کو بھی سکوت کا یارا نہ پھر رہا
کیا جانیے کہ بعد حسین اسپہ کیا ہوا

بولے نہ ان سے پوچھہ یہ زینبؑ کا ماجرا
قدمون پہ منہ دہر کے پڑی پہچان کر صدا

رو کر کہا قسم تجھے رب قدیر کی
زینبؑ تمہین ہو بیٹی جناب امیرؑ کی

انیس

یہ سن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ
منہ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ

پھر مڑ کے روئے حضرت زینب پہ کی نگاہ
بیساختہ کہا کہ زہے قدرت اله

ہرگز غلط نہین جو مجھے اشتباہ ہے
زینبؑ تمہین ہو خالق اکبر گواہ ہے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ مین، عموماً میر انیس کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن ہر کلیہ مین مستثنی ہوتا ہے

بعض موقعون پر مرزا دبیر صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کو ادا کیا ہے میر انیس سے نہین ہو سکا چنانچہ ذیل کی مثال سے اسکی تصدیق ہو گی۔

حضرت علی اصغرؑ کے لئے پانی مانگنا

واقعات کربلا مین یہ واقعہ نہایت درد انگیز ہے کہ تمام اعزہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ علیہ السلام، اپنے ششماہہ بچے (علی اصغرؑ) کو دشمنون کے سامنے لیجا کر اس بات کے ملتجی ہوے کہ یہ بچہ پیاس سے مرتا ہے، اِس کے گلے مین پانی کی ایک بوند ٹپکا دو، اس واقعہ کو میر ضمیر سے لیکر آج تک نئے نئے موثر پیرایون مین ادا کیا جاتا ہے، میر انیس صاحب نے مختلف مرثیون مین یہ واقعہ لکھا ہے، اور ہر جگہ نیا پہلو اختیار کیا ہے، ایک مرثیہ مین جو سب سے بہتر ہے فرماتے ہین ؎

بولے دکھا کے بچّے کو شاہ فلک سریر	مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودکِ صغیر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر	للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر

مہمان ہے کوئی آن کا ہونٹون پہ جان ہے
اسکا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

برپا ہے اہل بیت محمدؐ مین شور و شین	در پر پھوپھی بلکتی ہے مان کر رہی ہے بین
آنکھین پھرائے دیتا ہے اب تو یہ نور عین	لایا ہے اس عطش مین ترے پاس اب حسینؑ

تجکو قسم ہے روح رسالت مآب کی
ٹپکا دے اسکے حلق مین اک بوند آب کی

لیکن مرزا دبیر صاحب نے اس واقعہ کے بیان مین جو بلاغت صرف کی ہے اور جو درد انگیز سمان دکھایا ہے کسی سے آج تک نہ ہو سکا، فرماتے ہین ؎

دبیر	ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبطِ مصطفےٰ	لے تو چلا ہون فوج عمر سے کہون گا کیا

نہ مانگنا ہی آتا ہے مجھکو نہ التجا — منت بھی کر کرونگا تو کیا دینگے وہ بھلا

پانی کے واسطے نہ سنیں گے عدو مری
پیاسے کی جان جائیگی اور آبرو مری

پہونچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے — چاہا کریں سوال یہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے — چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہ گئے

آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہمکو لائے ہیں
اصغرؑ تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہیں

گر میں بہ قول عمرو و شمر ہوں گناہگار — یہ تو نہیں کسیکے بھی آگے قصوروار
شش ماہہ بے زبان نبی زادہ شیرخوار — ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بیقرار

سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور پیمبر زادہ ہے

یہ کون بے زبان ہے تمہیں کچھ خیال ہے — [illegible] بیکس کا لال ہے
گو مان لو تمہیں قسم ذوالجلال ہے — یثرب کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے

پوتا علیؑ کا تم سے طلبگار آب ہے
دیدو کہ اسمیں ناموری ہے ثواب ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر — رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر — سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر

پھیری زبان لبوں پہ جو اس نور عین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسینؑ نے

اسلوب بیان کی بلاغت کو دیکھو، امام علیہ السلام اصغرؑ کو لیکر پانی مانگنے کو نکلے تو سہی لیکن غیرت
کے اقتضا سے ہر قدم پر ٹھہر جاتے ہین کہ سوال کیونکر کرون، اور کرون بھی تو نتیجہ کیا ہوگا، پھر فوج کے قریب
پہونچکر سوال کرتے ہوئے شرمانا، تھرا کے رہ جانا، اور سب سے بڑھ کر بچہ کے چہرہ سے چادر سرکا کے رہ جانا
کسقدر قیامت انگیز سمان ہے، پھر سوال بھی کرتے ہین تو علی اصغر یہ کہکر ع اصغرؑ تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہین
واجب الرحم ہونے کی وجہین کسقدر لاجواب ہین، اور سب ایک ہی مصرع مین ادا ہوگئی ہین یعنی
ششماہہ ہے، بے زبان ہے، نبی زادہ ہے، شیرخوار ہے، ان سب پر قیامت یہ کہ جب سب
کچھ کہہ چکے تو بچہ کی زبان حال سے بھی کہلوایا اور بچہ نے کہہ بھی دیا، کیونکہ بچہؑ پیاس کی شدت سے لبون
پر زبان پھیرا کرتا تھا، اب بھی اُس نے ایسا ہی کیا تو یہ زبان حال سے کہنا تھا۔

متحد المضمون اشعار

اس قسم کے اشعار بعض تو بالکل ہم مضمون ہین، بعض اس قسم کے ہین کہ ایک نے ایک خیال
کو ادا کیا تھا، دوسرے نے اسکو ترقی دینا چاہا۔ بعض ایسے ہین کہ صرف اصل واقعہ مشترک ہے اور
دونون کی طرز ادا الگ الگ ہے، چنانچہ ہم ہر قسم کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

دبیر	مثل تنور گرم تھا پانی مین ہر حباب	ہوتی تھین سیخ موج پہ مرغابیان کباب
انیس	پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی	ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

یہ مضمون دونون کے ہان مشترک ہے کہ گرمی کی شدت یہ تھی کہ موج سیخ بن گئی تھی اور جب
کوئی جانور اُس کے پاس جاتا تھا تو جلکر کباب ہوجاتا تھا، بندش اور الفاظ کی نشست مین جو فرق ہے
وہ خود ظاہر ہے لیکن معنوی حیثیت سے بھی میر انیس کا شعر بڑھا ہوا ہے۔

میر انیس صاحب کے ہان گرمی کا مبالغہ جو شعر کی جان ہے، زیادہ پایا جاتا ہے، یعنی یہ کہ مچھلی سیخ
موج تک آنے کے ساتھ فوراً کباب ہوجاتی تھی، مرزا صاحب کے ہان یہ بات نہین پائی جاتی وہ کہتے ہین

کہ موج کی سیخ پر مرغابیوں کا کباب لگایا جاتا تھا، اس سے فوراً کباب ہوجانے کا خیال نہیں پیدا ہوتا۔

دبیر	چاہوں تو بیٹھے بیٹھے اک انگلی سے زیرِ تیغ	گردوں کی ڈھال چیر کے رکھدوں زمین پر	
انیس	طاقت اگر دکھاؤں رسالتمآب کی	رکھدوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی	

مرزا صاحب کے شعر کا پہلا مصرع نہایت بدترکیب ہے، اس کے علاوہ ایک انگلی سے چیرنا نہیں ہوتا بلکہ کھود بجا دینا ہوتا ہے۔ ڈھال کی تشبیہ آفتاب سے بہ نسبت آسمان کے زیادہ موزون ہے۔

دبیر	دہشت سے جوان بھاگتے تھے تیر کی مانند	تھا نیزوں کو رعشہ قدم پیر کی مانند	

انیس چلنے میں نیزے کانپتے تھے مثل پائے پیر

میر صاحب کا مصرع زیادہ فصیح اور صاف ہے، ان الفاظ سے "کانپتے تھے" جو تصویر خیال میں کھچ جاتی ہے وہ رعشہ کے لفظ سے پیدا نہیں ہوتی، سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک چلنے کی قید نہ مذکور ہو پوری تشبیہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ بوڑھے آدمی کے پاؤں چلنے ہی کی حالت میں کانپتے ہیں، اس کے ساتھ چونکہ چلنے کا اطلاق پاؤں اور نیزہ دونوں پر ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ اس موقع پر نہایت موزوں ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نیزہ چلانے کی حالت میں نیزہ کو لچک ہوتی ہے اس لئے اسکو کانپنے سے تعبیر کرسکتے ہیں، اور اس لحاظ سے یہ کہنا کہ نیزہ چلنے کی حالت میں خوف سے کانپتا تھا نہایت لطیف حسن التعلیل ہے، بخلاف اسکے مرزا صاحب نے چونکہ نیزہ کی جنبش اور حرکت کا ذکر نہیں کیا اس لئے رعشہ کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔

دبیر چلا کے ہات مل کے جلاجل کہ الامان۔

انیس ہوگیا جوڑ کے ہاتوں کو جلاجل خاموش۔

جلاجل کے دونوں حصے جو بجانے میں مل جاتے ہیں، اسکی تعبیر دونوں بزرگوں نے دو طرح پر کی ہے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جلاجل چلا کر الامان کہتا تھا اور ہاتھ ملتا تھا لیکن چلانے کو ہات ملنے

سے کوئی تعلق نہین، اس لئے گو تشبیہ صحیح ہے لیکن ہات ملنے کی کوئی توجیہ نہین ہوسکتی، میر صاحب کہتے ہین کہ حضرت امام حسینؑ کا رعب اسقدر غالب ہوا کہ جلاجل ہات جوڑ کے چپ ہوگیا، رعب اور خوف کی حالت مین ہات جوڑنا اکثر ہوتا ہے، اور چونکہ جلاجل کے دونون حصے جب مل جاتے ہین توپھر جب تک جدا نہ ہون، آواز نہین دے سکتے اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ ہات جوڑ کر چپ ہوگیا ہ

دبیر	یون جسم رعشہ دار سے جانین ہوئین روان		جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
انیس	یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے		جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

اصل مضمون یہ ہے کہ روحین جسم سے اس طرح بھاگ گئین جسطرح بھونچال مین کوئی گھر چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے لیکن بندش کی صفائی اور برجستگی نے میر انیس صاحب کے مضمون کو کہان سے کہان پہونچا دیا ہے اس کے علاوہ، صاحب مکان کی تخصیص بالکل بیکار ہے، زلزلہ جب آتا ہے تو صاحب مکان کی کوئی تخصیص نہین، ہر شخص مکان چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، جسم رعشہ دار کی ترکیب نامانوس ہے اور اس قید سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ صرف ان لوگون کی روحین نکلین جنکے جسم رعشہ دار تھے - میر صاحب کا پہلا مصرع بھی کچھ اچھا نہین، سر کا لفظ بالکل حشو بلکہ موقع کے لحاظ سے غلط ہے، روح سر مین نہین رہتی اور نہ سر سے اسکو کوئی خصوصیت ہے ہ

دبیر	وہ رخش پہ یا دیو تھا اسوار پری پر		غل رن مین اٹھا کوہ چڑھا کبک دری پر

کسقدر بیہودہ تشبیہ ہے، دشمن کو کوہ اور گھوڑے کو کبک دری کہنا مضائقہ نہین لیکن کوہ کا کبک دری پر چڑھنا کسقدر مہمل ہے، میر انیس صاحب نے بھی یہی مضمون یعنی دشمن کا گھوڑے پر سوار ہونا متعدد موقعون پہ باندھا ہے اور کس خوبی سے باندھا ہے -

ع گھوڑے پہ تہا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا -

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا -

دبیر	رن مین جو گھرا ابر غلیظ اہل سقر کا	بجلی سا کڑکنے لگا کڑکیت عسکر کا
ایضاً	گرد عباس کے کثرت تھی ستمگارونکی	مینھہ تو تیرون کا تھا اور برق تھی تلوارونکی

پہلے شعر کا یہ مطلب ہے کہ دشمن جو اہل سقر تھے، اُن کے صفون کا دل ابر غلیظ تھا، اور اس ابر مین کڑکیت کا کڑکنا بجلی کا کام دیتا تھا، دوسرے شعر کا مطلب ظاہر ہے، اسی مضمون کو میر انیس صاحب نے باندھا ہے ؎

اک گھٹا چھاگئی ڈھالون سے ستمگارونکی	برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

مرزا صاحب کا پہلا شعر تو بالکل بھدا اور بدترکیب ہے، دوسرا ذرا صاف ہے لیکن میر انیس صاحب کے شعر سے اسکو بھی کچھہ نسبت نہین ہے، صفائی اور برجستگی کے علاوہ "چمکنے لگی" کے جملہ فعلیہ نے جو حالت پیدا کی وہ "برق تھی" سے کہان پیدا ہوسکتی ہے ؎

انیس	عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہین ہے	اس عہد مین سب کچھہ ہے پر انصاف نہین ہے
دبیر	دل صاف ہو کسطرح کہ انصاف نہین ہے	انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہین ہے

انصاف سے دیکھو مرزا صاحب نے میر صاحب ہی کے لفظون کو الٹ پلٹ کیا ہے لیکن کس بُری طرح سے کہ محض لفظی گورکھہ دھندا رہ گیا ہے۔

دبیر کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین۔

انیس سایل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین۔

دونون مصرعون کی شستگی برجستگی اور صفائی مین جو فرق ہے، وہ ایک بچہ بھی سمجھہ سکتا ہے ؎

دبیر	کس آب و تاب سے یہ سر فوج پر گئی	پانی کا گھونٹ بنکے گلے سے اُتر گئی
انیس	سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا	تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ان دونون شعرون کا فرق بھی ظاہر ہے۔

دبیر	یون متصل رسن سے بندھے تھے وہ دل فگار	رشتہ مین جیسے دانۂ تسبیح آبدار

اہل حرم جو ایک ہی رسّی مین قید کئے گئے انکو تسبیح کے دانہ اور رشتۂ تسبیح سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ بجاے خود بُری نہین، لیکن میر صاحب کی تشبیہ دیکھو ؎

	گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جس طرح رشتۂ گلدستہ مین گلہاے چمن

تشبیہ کی لطافت اور نزاکت کے علاوہ، اصل تشبیہ مین کسقدر فرق ہے، تسبیح کے دانے رشتہ مین بندھے نہین ہوتے بلکہ پروے ہوتے ہین، بخلاف اسکے گلدستہ مین پھول رشتہ سے بندھے ہوتے ہین، بندش کی صفائی کا جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، اسکے علاوہ مرزا صاحب کے ہان آبدار کا لفظ محض فضول اور بیکار ہے ؎

دبیر	بے جرم معرکہ مین وہ خار انشگاف تھی	لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک صاف تھی

مرزا صاحب نے اس مضمون کو نہایت خوبی اور صفائی سے ادا کیا ہے، میر انیس صاحب نے اس مضمون کو کئی کئی طرح سے پلٹا لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ بات نصیب نہ ہوئی، میر صاحب کہتے ہین ؎

انیس ان سب کے بعد مُنہ کو جو دیکھا تو صاف تھا۔

ایضاً جو چاہے دیکھ لے مرا مُنہ پاک صاف ہے ؎

"	دم مین نہ وہ غرور، نہ وہ خودسری رہی	مجرم وہی رہا، یہ خطا سے بری رہی،
مرزا دبیر	روکش، خدا کی فوج سے چھوٹے بڑے ہوئے	سجادہ سے امام زمن اُٹھ کھڑے ہوئے
میر انیس	طیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوئے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے
دبیر	روشن پدر کا زور ہے ویناو دین پر ؛	ششدر رہے جبریلؑ کٹے جبکہ تین پر
انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر،	کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر
دبیر	بندھتی تھی، اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی،	انیس کُھلتی تھین اور جھپکتی تھین آنکھین حباب کی،

تمت

تصانیف ... انی

نام کتاب	مضمون		کہاں سے مل سکتی ہے
موازنہ انیس و دبیر	میر انیس کی شاعری پر ریویو اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ " " "		
سوانح مولانا روم	مولانا روم کی سوانح عمری اور مثنوی شریف پر مفصل تقریظ " " "	۳ حصے ۱۲ر و ۱۰ر بہ اختلاف کاغذ	دفتر ندوۃ العلما لکھنؤ
الکلام	عقاید اسلام کا ثبوت " " "	۲ر	"
سفرنامہ روم	ٹرکی و مصر و شام کا سفرنامہ " "		"
رسایل شبلی	۱۲ تاریخی مضامین کا مجموعہ " " "	عہ	"
سیرۃ النعمان	امام ابوحنیفہؒ کی سوانح عمری اور فقہ حنفی پر ریویو " " " "	عہ	"
المامون	مامون الرشید کی سوانح عمری "	عہ	ڈپو ٹی شاپ علی گڈھ کالج
الغزالی	امام غزالی کی سوانح عمری " "		دوبارہ زیر طبع ہے، دوسرا اڈیشن کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن
علم الکلام	علم کلام کی مفصل تاریخ " "		دوبارہ زیر طبع ہے،
الفاروق	حضرت عمرؓ کی سوانح عمری " "		دوبارہ زیر طبع ہے،

شبلی ندوہ - لکھنؤ